اُردو میں

# دُنیا کے عظیم ناولوں کا سلسلہ

۹

جو چھپ چکی ہیں :-

| | | |
|---|---|---|
| ۱ - | اور ڈان بہتا رہا | شولوخوف |
| ۲ - | ماں | میکسم گورکی |
| ۳ - | آخری سلام | کرسٹفر اشروڈ |
| ۴ - | مادام بواری | گستاؤ فلوبیر |
| ۵ - | ایک دل | موپساں |
| ۶ - | کنوارے کھیت | شولوخوف |
| ۷ - | بڈھا گوریو | بالزاک |
| ۸ - | سرخ و سیاہ | ستاں دال |

○

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰ - | سرد، اندھیرا، ویران گھر | بالزاک |
| ۱۱ - | موبی ڈک | ہرمن ملویل |
| ۱۲ - | جواری | دوستوفسکی |

مصنّف :- ولیم سرویاں

مترجم :- شفیق الرحمٰن

# انسانی تماشا

مکتبہ جدید

۱- انارکلی - لاہور

بالاشتراک مکتبہ فرینکلن لاہور ، نیویارک

This is an authorized translation of THE HUMAN COMEDY by William Saroyan. Copyright, 1943, by William Saroyan. Published by Harcourt, Brace and Company.

۱۹۵۶ء

بار اوّل

سویرا آرٹ پریس میں چھپی ✱ رشید احمد چوہدری نے شائع کی

# طکھی سرویاں کے نام

بہت دنوں سے خواہش تھی کہ آپ کے لئے ایک کہانی لکھوں جو بہت اچھی ہو، بلکہ میری سب کہانیوں سے بہترین ہو۔ مجھے کچھ دیر انتظار کرنا چاہیئے تھا لیکن یہ کسی کو علم نہیں کہ آئندہ کیا ہوگا، بدلتے حالات کا ذوق و شوق پر کیا اثر پڑے گا، چنانچہ میں نے اسے جلدی میں مکمل کیا ہے، اپنے موجودہ شعور اور رجحان کے مطابق۔

مجھے اُمید ہے کہ عنقریب کوئی ماہر اس کا ترجمہ آرمینی زبان میں کرے گا اور یہ ترجمہ اصل سے بہتر ہوگا۔ جیسا کہ آپ نے بارہا کیا ہے، آپ اس کے کچھ حصے مجھے پڑھ کر ضرور سنائیں گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بڑے شوق سے سنوں گا اور اپنی مادری زبان کی حلاوت سے لطف اندوز ہوں گا۔ یہ زبان جس سے بہت کم لوگ مانوس ہیں اسے آپ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا۔ چونکہ آپ کو انگریزی اچھی طرح نہیں آتی اور میں آرمینی زبان سے ناآشنا ہوں، اس لئے کوئی اچھا مترجم یہ مشکل ضرور حل کر دے گا۔

یہ کہانی آپ کے لئے ہے، مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے پسند فرمائیں گی۔ میرا اسلوب تحریر سادہ ہے، اس میں سنجیدگی اور لاابالی پن کا وہ امتزاج موجود ہے جو آپ کی طبیعت میں ہے، جو ہمارے کنبے کا خاصہ ہے۔ شاید یہ کہانی اتنی اچھی نہ ہو لیکن مجھے اس کی پروا نہیں، آپ کو یہ یقیناً اچھی معلوم ہوگی کیونکہ اسے آپ کے بیٹے نے لکھا ہے۔

و۔۔س

# ترتیب


اُلی سس ، ۹
ہومر ، ۱۴
تارگھر ، ۱۶
دُنیا مجھ پر رشک کرے گی ، ۲۵
تمہارا راستہ الگ ، میرا الگ ، ۳۰
ایک گیت ، ۳۵
اگر پیام آیا ، ۳۷
اے خدا ہمارے قریب رہ ، ۴۱
یہیں کہیں خرگوش ہیں ، ۵۱
تاریخ قدیم ، ۵۴
ناک پر تقریر ، ۶۳
دوڑ ، ۶۷
پھندہ ، ۷۸
ڈائنا ، ۹۱
اکیلی لڑکی ، ۹۸
سائیکل کا سفر ، ۱۰۳
تین سپاہی ، ۱۰۶
مسٹر گروگن اور جنگ ، ۱۱۵
امّی جان کے لئے ، ۱۱۹

اپنا اپنا دُکھ، ۱۲۱
ایک بہتر زندگی، ۱۲۳
طلوعِ نُور، ۱۲۷
موت کا فرشتہ، ۱۳۸
خوبانی کا درخت، ۱۴۱
خوش رہو!، ۱۴۸
احساسِ غم، ۱۵۸
وہ سب غلطیاں....، ۱۶۲
لائبریری، ۱۶۸
لیکچر کلب میں، ۱۷۳
مقدس کمرے، ۱۸۳
مسٹر میکانو، ۱۹۴
مضبوط بازوؤں کا سہارا، ۱۹۵
ہومر کو مارکس کا خط، ۲۰۳
بہت سا پیار پہنچے! ۲۱۲
شیر کی ہنسی، ۲۱۸
درخت اور انگور کی بیلیں، ۲۲۴
میرے عزیز گھر! ۲۲۷
محبت لافانی ہے، ۲۲۹
اختتام اور ابتدا، ۲۳۹

# اِس کہانی کے کردار :-

| | |
|---|---|
| یولیسس میکالے | ایک بھولا بھالا بچہ |
| مسز میتھیو میکالے | بڑے اچھے بچوں کی والدہ |
| ہومر میکالے | ایک خیر خواہ ہرکارہ |
| مسٹر سپینگلر | تار گھر کا فیاض منیجر |
| مسٹر گروگن | دُنیا کا بہترین تار بابو |
| بیس میکالے | خوبصورت مگر الھڑ لڑکی |
| میری ایرینا | پڑوس کی ایک دوشیزہ |
| مسز روزا سینڈول | جسے شعبۂ جنگ نے بُری خبر بھیجی |
| اُستاد بائی فیلڈ | جس سے ہومر کو عناد تھی |
| مس ہکس | تاریخِ قدیم اور انسانیات کی لیکچرر |
| ہیلن ایلیٹ | ہومر کی بے نیاز محبوبہ |
| موٹا کرس | ایک انسان دوست شکاری |
| آگی گوٹلیب | خوبانی چور گروہ کا سرغنہ |
| ڈائینا سٹیڈ | سپینگلر کی محبوبہ |

| | |
|---|---|
| تین سپاہی | پلا ہوا، ٹیکساز اور گھوڑا |
| کاربٹ | میخانے کا مالک |
| مارکس میکالے | میکالے خاندان کا ایک فرد جو فوج میں ہے |
| ٹوبی جارج | مارکس کا منہ بولا بھائی |
| لائنیل | ایک خوش باش احمق |
| مسٹر ہینڈرسن | خوبانی کے درخت کا دریا دل مالک |
| مسٹر ایرا | سیب، سنگترے اور آرمینی فلسفہ بہم پہنچانے والا |
| روزآلی | لیکچر کلب کی روحِ رواں |

# اُلی سس

کیلیفورنیا کے قصبے اکانٹا میں ایک چھوٹا سا لڑکا جس کا نام اُلی سس تھا اپنے مکان کے پچھواڑے گلہریوں کے بل کے پاس کھڑا تھا۔ گلہری نرم نرم مٹی نکال کر باہر پھینک رہی تھی اور کبھی کبھی جھانک کر لڑکے کی طرف دیکھتی جو اجنبی تو تھا لیکن دشمن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اتنے میں ایک پرندہ کہیں سے آگیا اور اخروٹ کے پرانے درخت پر آبیٹھا۔ پرندے نے نغمہ سرائی شروع کی تو لڑکا سب کچھ بھول گیا اور اوپر دیکھنے لگا۔

یکایک ریل گاڑی کے آنے کا شور سنائی دیا، ساتھ ساتھ زمین بھی ہل رہی تھی وہ ریل کی لائنوں کی طرف سرپٹ بھاگا۔ اس نے گذرتے ہوئے انجن کے ڈرائیور کو سلام کیا لیکن ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا۔ مال گاڑی کے ڈبوں میں جو پانچ چھ آدمی نظر آئے، اس نے سب کی طرف اشارے کئے۔ اگرچہ انہوں نے لڑکے کو دیکھ لیا تھا لیکن کوئی توجہ نہ دی۔

آخر میں ایک کھلے ہوئے ڈبے میں ایک حبشی دکھائی دیا، جو گا رہا تھا۔ کھڑکھڑاہٹ اور شور کے باوجود اس کا گانا سنائی دے رہا تھا ـــ

میرے محبوب مت رو، آج مت رو\
ہم اپنے وطن کینٹکی کا گیت گائیں گے۔

——— پُرانا وطن جو بہت دُور ہے۔

اُلی سِس نے اشارہ کیا اور ایک نہایت عجیب اور غیر متوقع بات ہوئی۔ یہ شخص جو بالکل سیاہ تھا اور دوسروں سے مختلف تھا، ہاتھ ہلا کر چلّایا۔ ”لڑکے! میں اپنے گھر جا رہا ہوں، اپنے وطن جہاں کا میں ہوں“

لڑکا اور حبشی ایک دوسرے کی طرف ہاتھ ہلاتے رہے۔ حتّٰی کہ مال گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

لڑکے نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ چاروں طرف بڑی تنہا، بڑی مضحکہ خیز دُنیا تھی۔ عجیب، کاٹھ کباڑ سے بھری ہوئی، حیرت انگیز، بے معنی ——— مگر حسین دُنیا۔

وہ راستے کی طرف چل پڑا۔ راستے میں ایک بوڑھا ملا جس نے کمر پہ کچھ اٹھا رکھا تھا۔ لڑکے نے اُسے بھی سلام کیا۔ وہ عمر رسیدہ اور تھکا ہوا تھا۔ اُسے ایک بچّے کا اظہارِ دوستی قابلِ توجہ نہ معلوم ہوا۔ اس نے ایسی نظروں سے اُلی سِس کو دیکھا جیسے وہ دونوں کبھی کے مر چکے تھے۔

لڑکا آہستہ آہستہ گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے کانوں میں ٹرین کا شور گونج رہا تھا اور حبشی کا گانا ——— اور اس کا فقرہ ——— ”لڑکے میں گھر جا رہا ہوں، اپنے وطن جہاں کا میں ہوں“

وہ ایک درخت کے نیچے رُک گیا۔ زرد رنگ کا بڑا سا پھل زمین پر پڑا تھا۔ اُسے ٹھوکر لگائی اور مسکرانے لگا۔ یہ مسکراہٹ میکالے کنبے کی مخصوص مسکراہٹ

تھی — حلیم، بردبار، خردمند، مخفی مسکراہٹ — جو بیشتر باتوں کے لئے "ہاں" کے معنے رکھتی تھی۔

موڑ سے ذرا آگے اُن کا گھر تھا۔ گھر نظر آیا تو آلی سٹس مسرت سے کودنے لگا۔ ایک دفعہ جو اُچھلا ہے تو دھڑام سے گرا۔ جلدی سے اُٹھ کر کپڑے جھاڑنے لگا۔

اُس کی والدہ احاطے میں مرغیوں کو دانہ ڈال رہی تھی۔ اُس نے لڑکے کی اچھل کود دیکھ لی تھی۔ آلی سٹس چپکے سے ماں کے پاس آ کھڑا ہوا۔ پھر مرغیوں کے ڈربے میں انڈے تلاش کرنے گیا۔ اُسے ایک انڈا مل گیا جو اُس نے بڑی حفاظت سے اٹھا کر ماں کے حوالے کیا، اس انداز سے جس کا سمجھنا بڑوں کے لئے مشکل ہے اور بچے جیسے بھول جاتے ہیں۔

## ہومر

کچی سڑک دھول سے اٹی ہوئی تھی لیکن اس کا بڑا بھائی ہومر بڑی مستعدی سے پرانی سائیکل چلا رہا تھا۔ اس نے تار ہرکاروں کا کوٹ اور ٹوپی پہن رکھی تھی۔ کوٹ بہت بڑا تھا اور ٹوپی چھوٹی آتی تھی۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔ فضا میں سکون تھا اور غنودگی — جو اکاتھا کے باشندوں کو اس قدر عزیز ہے۔ چاروں طرف کیلیفورنیا کا پرانا علاقہ تھا اور خوشنما کنج اور تاکستان۔ وہ بڑی تیزی سے جا رہا تھا تاہم گرد و نواح کے حسین نظاروں سے بے خبر نہ تھا۔ کبھی وہ گھاس کے قطعوں پر پھیلی ہوئی پیلی دھوپ کو دیکھتا، کبھی نیلے آسمان کے سفید بادلوں کو۔ سیدھا جانے کی بجائے فرطِ مسرت سے وہ سائیکل کو لہریوں میں چلا رہا تھا۔ پیڈل کی گردش کے ساتھ ساتھ وہ گانے لگتا — یہ موسیقی بیک وقت سادہ، غنائیہ، مہمل — سب کچھ تھی۔ لیکن اس میں دلکشی تھی۔ ان میں سے بیشتر گیت اُس نے آپیرا میں سُنے تھے۔ سب آرکسٹرا کی دھنیں تھیں جنہیں اُس نے بارہا اپنی بہن بیس کے پیانو پر اور والدہ کے بربط پر گایا تھا۔ بعد میں اس کا بڑا بھائی مارکس ارگن باجے لے آیا جس سے کبھی طربیہ نغمے نکلتے تھے کبھی مغموم۔ اُسے مارکس یاد آنے لگا۔

یکایک ایک شور سنائی دیا اور آسمان میں تین چیزیں تیزی سے اڑتی ہوئی گذر گئیں۔ ہرکارے نے ان کی طرف دیکھا اور فوراً ایک کھائی میں جا گھسا۔

"یہ ہوائی جہاز تھے۔" اُس نے زیرِ لب کہا۔

کسی زمیندار کا کتا غل سُن کر بھاگا بھاگا آیا اور اس سرگرمی سے بھونکنے لگا جیسے کوئی بات کہنا چاہتا ہے۔ ہرکارے نے ہشت ہشت کر کے اُسے چپ کرایا اور جلدی سے سائیکل پر سوار ہو کر چل دیا۔

ذرا سی دیر میں آبادی آگئی۔ مکانوں کی قطار سے پہلے ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا:۔

اکاتھا۔ کیلیفورنیا

مشرق ہو یا مغرب، وطن پھر وطن ہے

اے اجنبی خوش آمدید

سامنے سے فوجی لاریاں آرہی تھیں۔ اس لئے وہ رُک گیا۔ اُس نے سپاہیوں کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ بالکل جیسے اُس کے چھوٹے بھائی نے انجن ڈرائیور اور دوسروں کو سلام کیا تھا۔ کئی سپاہیوں نے سلام کا جواب دیا۔

# تار گھر

جب ہومر تار گھر پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ کلاک پر سات بج کر دو منٹ ہو چکے تھے۔ تار گھر کا مینجر مسٹر سپنگلر ایک تار کے الفاظ گن رہا تھا۔ سامنے ایک بیزار سا بیس سالہ نوجوان کھڑا تھا۔ ہومر ان دونوں کی باتیں سننے لگا۔

"کُل چودہ الفاظ ہوئے" — سپنگلر بولا۔ پھر نوجوان کی طرف دیکھ کر کچھ سوچنے لگا

— "میاں پیسوں کی تنگی تو نہیں؟"

نوجوان ہچکچانے لگا — "جی کچھ ہے ہی۔ مگر میری امّی بھیج دیں گی اور میں آسانی سے گھر پہنچ جاؤں گا۔"

"لیکن تم کہاں پھرتے رہے ہو؟"

"جی کسی خاص جگہ تو نہیں گیا —" نوجوان کھانسا — "امّی کو یہ تار کتنی دیر میں مل جائے گا؟"

"مشرقی حصّوں میں، رات پڑ چکی ہو گی۔ اتنی دیر گئے روپیہ فراہم کرنا شاید مشکل ہو۔ ویسے یہ تار میں ابھی بھیجے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر سپنگلر نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں اور مٹھی بھر سکّے اور ایک اُبلا ہوا انڈا نکال کر سامنے رکھ دیا۔

"یہ لو — شاید ضرورت پڑ جائے" — اس نے نوجوان کے ہاتھ میں سکّے تھما دیئے — "جب تمہاری امی بھیجیں گی تو لوٹا دینا۔" پھر انڈے کی طرف اشارہ

کر کے بولا۔ "چھ سات دن ہوئے میں نے یہ ایک دکان سے اٹھا لیا تھا۔ ابلے ہوئے انڈے کو میں خوش نصیبی کی علامت سمجھتا ہوں۔"

"جی یہ پیسے ۔۔۔؟" نوجوان حیران سا ہو گیا۔

"لے لو۔ ٹھیک ہے۔"

"شکریہ ۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" اس نے جلدی سے کہا اور باہر نکل گیا۔

سپنگلر نے تار مسٹر گروگن کو دے دیا۔ "تار ابھی بھیج دو۔ اس کی لاگت میں دوں گا۔"

گروگن نے تار کی مشین کو حرکت دی اور الفاظ دہرانے لگا۔

مسز مارگریٹ سٹرکمین

۱۸۷۴ بڈل سٹریٹ - یارک - پنسلوینیا۔

امی جان۔ فیس ڈالر بذریعہ تار بھجوا دیجئے۔ میں گھر آنا چاہتا ہوں۔ باقی سب خیریت ہے۔"

جان

ہوم کھڑا انتظار کر رہا تھا کہ اگر کچھ تار بانٹنے ہوں تو لے کر تقسیم کر آئے۔ سپنگلر کی نگاہیں لڑکے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہرکارے کا کام تمہیں پسند آیا؟"

"جی بہت پسند آیا۔ طرح طرح کے آدمیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ نئی نئی جگہیں دیکھنے میں آتی ہیں۔"

"بہت خوب — یہ بتاؤ کہ رات کو اچھی طرح سوئے تھے؟"

"جی ہاں! میں تھک گیا تھا لیکن نیند خوب آئی۔"

"آج سکول میں تو نہیں اونگھے؟"

"تھوڑا سا اونگھا تھا۔"

"کون سے لیکچر میں؟"

"تاریخ قدیم کی کلاس میں۔"

"اور کھیل کود۔ اس نئے کام کی وجہ سے اب کھیل تو نہ سکو گے؟"

"جی نہیں، کھیلوں گا۔ سکول میں ایک گھنٹہ ورزش کے لئے بھی ہوتا ہے۔"

"اچھا؟ میں خود دو سو بیس گز کی دوڑ میں اس علاقے کا چمپین رہ چکا ہوں۔ سچ بتانا، واقعی تمہیں یہ نوکری پسند ہے؟"

"میں اس علاقے کا سب سے تیز ہرکارہ بن کر دکھاؤں گا۔"

"شاباش! مگر اس کوشش میں کہیں اپنے آپ کو ہلاک نہ کر بیٹھنا۔ تم میں تیزی بہت ہے۔ جہاں پہنچنا ہو، جلد پہنچو، لیکن ضرورت سے زیادہ تیزی دکھانا جہالت ہے۔ سب سے نرمی سے پیش آؤ۔ بجلی کی لفٹ میں ٹوپی اتار لیا کرو اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ کبھی تار مت کھودو۔"

"بہت اچھا جناب۔"

"رات کا کام دن کے کام سے مختلف ہوتا ہے۔ چینیوں کے محلے یا مضافات

میں جاتے ہوئے سب ڈرتے ہیں۔ تم کبھی مت ڈرا کرو۔ لوگ اتنے بُرے نہیں ہوتے۔ ان سے کبھی مت گھبراؤ۔ تمہاری عمر کیا ہے؟

"سولہ برس۔"

"تم نے کل بھی بتایا تھا۔ قاعدے کے مطابق ہمیں سولہ برس سے کم کے لڑکوں کو ملازم نہیں رکھنا چاہیئے۔ لیکن ہم تمہیں رکھ لیں گے۔ کیا ہے تمہاری عمر؟"

"چودہ برس۔"

"چلو دو برس میں سولہ کے ہو جاؤ گے۔"

"جی ہاں۔"

"اگر کچھ سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے پوچھ لیا کرو۔"

"جی، جو تار گا کر دینے ہوتے ہیں اُن کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ یونہی ہوتے ہیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہوتی۔ ایک تو ایسے تار یہاں بہت کم آتے ہیں دوسرے تمہاری آواز اچھی خاصی ہے۔"

"میں اکا تقا کے مذہبی سکول میں گایا کرتا تھا۔"

"تب تو اور بھی اچھا ہے۔ اس قسم کے تاروں کے لیے ایسی ہی آواز کی ضرورت ہے۔ اب فرض کرو کہ مسٹر گروگن کو سالگرہ پر مبارکباد کا تار آیا ہے — یہ پیغام کس طرح پہنچاؤ گے؟"

ہومر، گروگن کے پاس جا کر گانے لگا —

"سالگرہ مبارک ہو
سالگرہ مبارک ہو
سالگرہ مبارک ہو عزیز گرد گن —
سالگرہ مبارک ہو —

"شکریہ" گرد گن نے کہا۔

"شاباش" — سپنگلر بولا۔ "مگر عزیز گرد گن کی جگہ تمہیں عزیز مسٹر گرد گن کہنا چاہیے تھا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ پندرہ ڈالر ہفتہ وار جو ملیں گے ان کا کیا کرو گے؟"

"اپنی والدہ کو دوں گا۔"

"بہت خوب، آج سے تم اس تار گھر کے ایک اہم کارکن ہو۔ ہشیاری سے کام کرنا۔ ہر بات کو توجہ سے سننا۔ ہر چیز کو غور سے دیکھنا —"

"جی ایسا ہی ہوگا۔"

"اور مستقبل کے کیا ارادے ہیں؟"

ہومر خاموش ہو گیا۔ وہ ہمیشہ مستقبل کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ ہر لمحہ، ہر روز، خواہ یہ آنے والی کل کے متعلق کیوں نہ ہو۔

"جی، پتہ نہیں آئندہ کیا ہوگا۔ شاید ایک دن کچھ نہ کچھ بن ہی جاؤں گا۔ نغمہ نگار یا کچھ اور —"

"تب تو تمہارے لیے اس سے بہتر جگہ کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہاں ننھے ننھے نغمے ہیں،

تارگھر

نغمے جو لوگوں کے دلوں سے نکلتے ہیں۔ تار کی مشین کی موسیقی سُنو ۔ کتنی دلآویز ہے۔"

"جی ہاں۔"

"بڑی سڑک پر تم نے نابنائی ہیبرٹن کی دکان دیکھی ہے ؟ یہ پیسے لو، دو میٹھے سموسے لے آؤ۔ سیب اور ناریل اور بالائی کے بڑے سے سموسے ۔ باسی لانا وہ سستے ہوتے ہیں ۔"

"بہت اچھا۔"

ہومر پیسے لے کر باہر بھاگا۔ سپنگلر اُسے دیکھتا رہا۔ وہ خود کچھ سوچ رہا تھا۔ زندگی کی خوشگوار اور مسرور کُن چیزوں کے متعلق۔ جب چونکا تو گروگن سے کہنے لگا "اس لڑکے کے متعلق کیا رائے ہے ؟"

"اچھا لڑکا ہے ۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے ۔ شریف خاندان کا ہے ۔ یہ لوگ غریب ہیں۔ سانتا کلارا سڑک پر رہتے ہیں۔ والد کا انتقال ہو چکا ہے، بھائی فوج میں ہے۔ والدہ چھوٹے موٹے کام کر لیتی ہے، بہن کالج میں پڑھتی ہے۔ ویسے یہ لڑکا ذرا کم عمر ہے۔ بس۔"

"اور میں عمر رسیدہ ہوں ۔" گروگن بولا ۔" ہم دونوں کی خوب بنے گی ۔"

سپنگلر اُٹھا ۔" اچھا میں چلتا ہوں ۔ اگر میری ضرورت ہوئی تو کاربٹ کی دکان سے بلا لینا۔ سموسے تم دونوں کھا لینا۔"

سپنگلر نے ابھی بات ختم نہ کی تھی کہ ہومر سموسے لے کر آ گیا۔

"کیا نام بتایا تھا تم نے اپنا؟" سپنگلر نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"ہومر میکالے۔"

سپنگلر نے ازراہِ شفقت اپنا بازو اس نئے ہرکارے کے کندھے پر رکھ دیا۔

"ہومر میکالے — اس تار گھر کو تم جیسے لڑکے کی ضرورت تھی۔ میرے خیال میں سان جاکن کی وادی میں تم سب سے تیز رفتار رہو۔ کسی دن تم بڑے آدمی ہو گے — اگر تب تک زندہ رہے۔ اس لئے ذرا اپنا خیال رکھا کرو۔"

سپنگلر دفتر سے چلا گیا۔ ہومر یہی سوچ رہا تھا کہ اس فقرے کا مطلب کیا تھا۔

"لڑکے، وہ سموسے کہاں ہیں؟" گروگن نے پوچھا۔

ہومر نے میز پر کاغذ میں لپٹے ہوئے سموسے رکھ دیئے۔

"برخوردار — میرا نام ولیم گروگن ہے۔ مجھے لوگ وِلّی پکارتے ہیں۔ اگرچہ میں سڑسٹھ برس کا ہوں۔ میں بہت پرانا تار بابو ہوں۔ دن کے کام کے علاوہ رات کو بھی تار گھر کا محافظ میں ہی ہوتا ہوں۔ میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ بدلتی دنیا کی بہت سی کیفیتیں دیکھی ہیں۔ اور اس وقت مجھے بھوک بھی لگی ہوئی ہے۔ آؤ سموسے کھائیں۔ آج سے ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

"جی۔"

بوڑھے نے سموسے کو چار حصّوں میں تقسیم کیا اور دونوں اوپر لگی ہوئی بالائی کھانے لگے۔

"تمہیں کبھی کبھی میرے کام بھی کرنے ہوں گے۔ مثلاً میرے ساتھ گانے میں شریک ہونا پڑے گا ـــــ پاس بیٹھ کر باتیں کرنی ہوں گی۔ جب میں زیادہ شراب پی گیا تو مجھے تم سے اس سمجھ بوجھ کی توقع ہوگی جس کے لئے تم ابھی نوعمر ہو ـــ کیا عمر ہے تمہاری؟"

"چودہ برس کا ہوں ـــ لیکن میں سمجھ جاؤں گا۔"

"شاباش ـــ مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ ہر رات تمہیں خیال رکھنا ہوگا کہ دفتر میں ہیں اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتتا۔ اگر میں اونگھنے لگوں تو پہلے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے، اگر جھنجھوڑنے پر بھی بیدار نہ ہوں تو پھر جلدی سے کاربٹ کی دکان سے بغیر دودھ کی گرم گرم کافی کا پیالہ ـــ"

"بہت اچھا ـــ"

"اگر دفتر سے باہر کہیں مجھے مخمور دیکھو تو کوئی پروا نہ کرنا، ذرا سا سلام کر دینا اور پاس سے گذر جانا، کوئی سوال مت پوچھنا۔ ایسے وقت میں بہت حساس ہو جاتا ہوں۔"

"تو دفتر میں سرد پانی کے چھینٹے اور گرم کافی ـــ اور سڑک پر فقط سلام"۔

گروگن نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک بڑا سا لقمہ لے کر بولا۔ "کیا خیال ہے تمہارا یہ جنگ کے بعد یہ دنیا کچھ بہتر ہو جائے گی۔"

"جی ہاں۔"

"تمہیں ناریل کے سموسے پسند ہیں؟"

"جی ہاں"

تار کی مشین کھڑکنے لگی۔ گروگن مشین کے پاس جا بیٹھا۔

"مجھے بھی ناریل کے سموسے پسند ہیں۔ مجھے موسیقی بھی پسند ہے۔ میں گاتا بھی ہوں۔ ابھی تم کہہ رہے تھے کہ سکول میں گایا کرتے تھے۔ سکول کا کوئی گانا سناؤ۔ میں اتنے میں واشنگٹن کا یہ تار وصول کر لوں"

ہومر گانے لگا۔ گروگن نے تار کے الفاظ ٹائپ کئے۔ یہ تار مسز رونا سینڈوال کے نام تھا۔ شعبۂ جنگ نے یہ خبر بھیجی تھی کہ مسٹر سینڈوال کا لڑکا لڑائی میں مارا گیا۔

گروگن نے تار ہومر کے حوالے کیا اور میز کی دراز سے بوتل نکال کر چند گھونٹ بھرے۔ ہومر نے تار لفافے میں بند کر کے مہر لگائی۔ لفافہ اپنی ٹوپی میں رکھ کر روانہ ہو گیا۔

بوڑھے نے اونچی آواز میں ہومر کا گایا ہوا گیت گانا شروع کر دیا۔ کبھی وہ بھی جوان تھا۔

# دُنیا مجھ پر رشک کرے گی

سانتا کلارا سٹرک پر میکالے کنبے کے گھر سے نغموں کی صدا آرہی تھی۔ مسز میکالے اور بیس مشہور گیت "دنیا مجھ پر رشک کرے گی" گا رہی تھیں۔ یہ گیت مارکس کے لیئے تھا جو کہیں دور تھا۔ اُسے یہ گیت بہت پسند تھا۔

پڑوس سے میری آرینا آگئی اور پیانو کے پاس کھڑی ہو کر گانے لگی۔ وہ بھی یہ گیت مارکس کے لئے گا رہی تھی جو اُسے دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ چھوٹا بچہ آلی سس چپ چاپ سُن رہا تھا۔ اُسے یقین ہو چلا تھا کہ ضرور کوئی بات ہے جو اس سے چھپائی جا رہی ہے۔ وہ یہ راز معلوم کر کے رہے گا۔ حالانکہ وہ تقریباً اُونگھ رہا تھا۔

گیت ختم ہوا تو اُس نے والدہ سے پوچھا "مارکس کہاں ہے؟"

مسز میکالے بولی — "بیٹے کچھ خود بھی سمجھ لیا کرو۔"

آلی سس نے سمجھنے کی کوشش کی لیکن سوچنے لگا کہ کیا سمجھے۔

"کیا سمجھوں؟"

"یہی کہ مارکس یہاں سے جا چکا ہے۔"

"کہاں؟"

"وہ فوج میں ہے۔"

"تو وہ گھر کب آئیں گے؟"

"جنگ ختم ہو گی تب۔"

"کل؟"

"نہیں کل نہیں۔"

"تو پھر کب؟"

"یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ ہم سب انتظار کر رہے ہیں۔"

"ابا جان کہاں ہیں؟ ہم انتظار کریں تو وہ بھی آ سکتے ہیں مارکس کی طرح؟"

"نہیں وہ اس طرح نہیں آئیں گے جیسے سیڑھیاں اور دالان طے کر کے کبھی آیا کرتے تھے۔"

بچے کو اس کا سمجھنا بھی بہت مشکل معلوم ہوا۔ فقط ایک لفظ رہ گیا تھا جس کا استعمال کچھ مدد کر سکتا تھا۔

"کیوں؟"

مسز میکالے نے بیس اور میری کی طرف دیکھا۔ "موت ایسی چیز نہیں جسے ہر ایک سمجھ سکے، خصوصاً ایک چھوٹا بچہ۔ لیکن ہر جاندار شے ایک دن فنا ہو جائے گی۔"

وہ الی سس سے مخاطب ہوئی۔ "وہ دن تمھارے ابا کے لئے دو سال ہوئے آیا تھا۔ مگر جب تک ہم زندہ ہیں، ہم اکٹھے ہیں۔ خواہ ہم میں سے صرف دو

افزاوی رہ جائیں جو اُنھیں یاد رکھنے ہوں تو دُنیا کی کوئی طاقت اُنھیں ہم سے نہیں چھین سکتی۔ اُن کا جسم فنا ہو سکتا ہے لیکن وہ خود فنا نہیں ہو سکتے۔ جوں جوں تم بڑے ہوگے، اپنے ابّا کو زیادہ اچھی طرح جاننے لگوگے۔ وہ مرے نہیں۔ اس لئے کہ تم زندہ ہو۔ وقت، حادثہ، بیماری اور تھکاوٹ ـــ ان سب نے اُن کا جسدِ خاکی ہم سے چھین لیا لیکن پھر اُنھیں تمہارے روپ میں واپس لوٹا دیا۔ اس روپ میں جو کہیں نوعمر ہے۔ شاید تم یہ باتیں نہ سمجھ سکو۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ کوئی اچھی چیز کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو دُنیا میں انسان نہ رہتے۔ زندگی نابود ہو چکی ہوتی۔ مگر دُنیا میں آبادی بھی ہے اور زندگی بھی ـــ"

بچہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اچانک اُسے صبح کی بات یاد آگئی۔

"امّی، گلہریاں کیا ہوتی ہیں؟" اس نے پوچھ لیا۔

اس سوال پر امّی کو ذرا تعجّب نہ ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ لڑکے میں تجسّس کا مادہ ہے۔ یہ جذبہ اُس کی آنکھوں سے جھلکتا ہے۔ اس کے دل میں ولولے ہیں۔ محبّت ہے، کسی ایک چیز کے لئے نہیں بلکہ ہر چیز کے لئے۔"

"زمین کی گلہریاں، آسمان کے پرندے اور سمندر کی مچھلیاں ـــ کائنات کے اجزا ہیں، ہماری زندگی کے حصّے ہیں۔ ہر چیز جو سانس لیتی ہے وہ ہمارا ایک جز ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں جو ہماری طرح متحرک نہیں وہ بھی ہمارا جز ہیں۔ سورج، زمین، آسمان، تارے، دریا اور سمندر ـــ یہ سب ہمارے شریک ہیں۔ ہمیں دُنیا میں

بھیجا گیا ہے تاکہ ہم ان سے لطف اندوز ہوں اور خدا کا شکر بجا لائیں۔"

بچے نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اچھا یہ تو بتائیے کہ ہومر کہاں ہے؟"

"تمہارا بھائی ہومر کام پہ گیا ہوا ہے۔ کل سے اس نے ملازمت کر لی ہے۔ سکول کے بعد وہ نوکری پر چلا جاتا ہے اور آدھی رات کو آتا ہے۔ تم اس وقت بستر میں ہوتے ہو۔"

بچے کی سمجھ میں نہ آیا کہ کام کیا ہوتا ہے، اس کا بھائی ملازمت کیوں کر رہا ہے، ملازمت سے انسان کو کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے؟

"ہومر نوکری کیوں کر رہا ہے؟"

دونوں لڑکیاں خاموشی سے ماں بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں۔

مسز میکالے بولی۔ "ہومر اس لئے ملازم ہوا ہے کہ تمہارا بڑا بھائی مارکس فوج میں ہے۔ ہمیں روپے کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے خریدنے کے لئے، کرایہ ادا کرنے کے لئے اور دوسروں کو دینے کے لئے جن کی ضروریات زیادہ اہم ہیں۔"

"وہ کون ہیں؟"

"بہت سے لوگ، جو غریب ہیں، ضرورت مند ہیں۔"

"غریب کون ہوتے ہیں؟"

"ہر ایک غریب ہے۔" مسز میکالے مسکرانے لگی۔ اُلی سس اب بالکل

اونگھ رہا تھا۔

"بیٹے، دوسروں کی مدد ہمارا فرض ہے۔ اپنی توفیق سے زیادہ دوسروں کو دینا چاہئے۔ اس نیک کام میں فضول خرچی بھی جائز ہے۔ جو شخص تمہاری زندگی میں آئے اس کی مدد کرو۔ کوئی تمہیں دھوکہ نہیں دے سکے گا۔ اگر تم نے چور کو کچھ دے دیا تو وہ تمہاری چوری نہیں کرے گا۔ جتنا تم نے دوسروں کو دیا اس سے کہیں زیادہ تمہیں اور مل جائے گا۔"

مسز میکالے نے بچے کی طرف دیکھا اور بیس سے کہا۔ "اسے بستر میں سلا دو۔"

بیس اور میری اُسے ساتھ لے گئیں۔ مسز میکالے تنہا بیٹھی تھی۔ یکایک قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ میکالے کو جیتے جاگتے دیکھ رہی ہو۔

"میں سو گیا تھا۔ مجھے نیند آرہی تھی ــــــ کیٹی مجھے معاف کرنا۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسا۔ یہ ہنسی بالکل اُلی سس کی ہنسی کی طرح تھی۔ بیس واپس آگئی اور بولی ــــ "ننھا سونے سے پہلے ہنسا تھا۔"

# تمہارا راستہ الگ میرا الگ

مسز روزا سینڈول کے مکان کے سامنے ہرکارے نے سائیکل روک لی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن اسے یقین سا ہو گیا کہ اندر کوئی ہے۔ شاید یہ روزا سینڈول ہی ہو — وہ بدنصیب عورت جیسے ایک قتل کی خبر ملنے والی ہے۔

پھر جیسے آہٹ ہوئی، آہستہ سے کواڑ ہلے، دروازہ کھلا۔ یہ وہی تھی۔ ہومر کو یہ میکبتھ عورت خوبصورت معلوم ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہ عورت عمر بھر صابر رہی ہے۔ تبھی اتنے برسوں کے بعد ایک پُرشفقت نورانی مسکراہٹ اس کے چہرے کا جز بن چکی ہے۔ جن لوگوں کو تار نہ ملتے ہوں انہیں تار ہرکارے کی آمد پر سخت وحشت ہوتی ہے۔ ہومر نے پہچان لیا کہ اسے دیکھ کر عورت کو ایک دھچکا سا پہنچا ہے۔

اس نے اس انداز سے "اوہ" کہا جیسے ہرکارے کی بجائے اس نے دروازہ کسی ایسے دوست یا جانے پہچانے انسان کے لئے کھولا تھا جس کی آمد باعثِ مسرت ہو۔ وہ ہومر کی نگاہوں کو جانچنے لگی۔ شاید اس نے بھانپ لیا تھا کہ لڑکا اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔

"تم تار لائے ہو؟"

اس میں ہومر کا کیا قصور تھا۔ اس کا کام ہی ایسا تھا۔ لیکن اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس گناہ میں وہ بھی برابر کا شریک ہے، جو کچھ ہوا اس کا ذمہ دار ہے۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ کہدے ــــ "مسز سینڈول، میں تو ایک غریب ہرکارہ ہوں اور اپنا فرض ادا کر رہا ہوں ــــ مجھے بہت افسوس ہے کہ ایسا تار لایا ہوں۔"

"تار کس کے نام ہے؟"

"مسز روزا سینڈول کے نام ــــ" ہومر نے تار سامنے کر دیا۔ لیکن عورت نے نہیں چھوا۔

"آپ مسز سینڈول ہیں؟"

"اندر چلے آؤ ــــ میں میکسیکو کی ہوں۔ انگریزی نہیں جانتی۔ صرف وہ اخبار پڑھتی ہوں جو میکسیکو شہر سے آتا ہے۔"

ہومر دروازے میں اس طرح کھڑا تھا جیسے موقع پاتے ہی بھاگ نکلے گا۔

"تار کس چیز کے متعلق ہے؟"

"مسز سینڈول اس تار میں ــــ"

"عورت نے اس کی بات کاٹ دی ــــ" تم نے لفافہ تو کھولا ہی نہیں، پہلے تار نکالو پھر پڑھ کر سناؤ ــــ"

"اچھا جی ــــ" ہومر نے اس لہجے میں کہا جیسے وہ کسی استانی کے سامنے کھڑا ہو جس نے ابھی ابھی اسکی غلطی پکڑ لی ہو۔

کانپتی انگلیوں سے اس نے لفافہ کھولا۔ مسز سینڈول نے فرش پہ گرا ہوا خالی لفافہ اٹھا لیا اور کاغذ کی سلوٹیں دور کرنے لگی۔

"تار کس نے بھیجا ہے؟ میرے لڑکے جوآن ڈومنگو نے؟"

"جی نہیں، شعبۂ جنگ سے آیا ہے۔"

"شعبۂ جنگ سے؟"

"مسز سینڈول آپ کا لڑکا مر گیا۔ شاید یہ خبر غلط ہو۔ ایسی غلطیاں اکثر ہوتی رہتی ہیں۔ شاید یہ خبر آپ کے لڑکے کے متعلق نہ ہو۔ کوئی اور مارا گیا ہو۔ تار میں یہ لکھا ہے کہ جوآن ڈومنگو جنگ میں کام آ گیا — لیکن یہ تار غلط بھی ہو سکتا ہے —"

میکسیکن عورت نے جیسے سنا ہی نہیں — "ڈرو منت — اندر آ جاؤ"

اُسے بازو سے پکڑ کر اندر لے گئی اور کرسی پر بٹھا دیا۔

"تمہارے لئے مٹھائی لاؤں۔"

وہ سامنے کے کمرے سے ایک پرانا سا ڈبہ اٹھا لائی جس میں سے ایک عجیب قسم کی مٹھائی نکال کر ہومر کو دی۔ — "لو کھاؤ — بچے تو مٹھائی پہ جان دیتے ہیں —"

ہومر ڈلی چبانے لگا۔

"تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ میرا جوآنیٹو اس عمر میں بالکل تم جیسا تھا تم ہرگز

کوئی بُری خبر نہیں لا سکتے ۔ لو ایک اور ڈلی لو۔"

وہ مٹھائی کی خشک ڈلی کو چبا رہا تھا اور عورت کہہ رہی تھی ۔" یہ گھر کی بنی ہوئی مٹھائی ہے ۔ اسے ناگ پھن کے خاردار پودے سے بناتے ہیں۔ میرے جونیٹو کو یہ بہت پسند ہے ۔ میں نے اُسی کے لئے بنائی تھی ۔ وہ یہاں ہوتا تو بڑے شوق سے کھاتا لیکن تم بھی میرے بیٹے ہو ۔ اب تم کھاؤ۔"

وہ سسکیاں لے رہی تھی ۔ اس نے بڑا ضبط کیا ہوا تھا جیسے وہ رونے کو باعث شرم سمجھتی ہو۔

ہومر چاہتا تھا کہ وہاں سے بھاگ جائے لیکن اُس کے قدم شل ہو چکے تھے ، اگر وہ کوشش بھی کرتا تب بھی وہاں سے نہ ہل سکتا ۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس عورت کا غم کیونکر بٹائے ۔ اگر اس نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا تب وہ انکار تو کبھی نہیں کر سکے گا ۔ ایسی مہربان اور غمزدہ عورت کا کہا کوئی کیونکر موڑ سکتا ہے ۔

دفعتاً وہ اٹھ کھڑا ہوا ، جیسے اس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ اس شدید نقصان کی تلافی کر کے رہے گا ۔ پھر سوچنے لگا کہ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں ۔ ایک بیچارے ہرکارے کی بساط ہی کیا ہے ۔

عورت نے اُسے بازوؤں میں لے لیا اور چلائی ۔" میرے ننھے بچے ۔ میرے لال ۔"

ہومر کی طبیعت منغض ہوگئی۔ اُسے یہ سب بعید کہ یہہ معلوم ہوا۔ یہ کراہت جیسے اُس کے خون میں پھیل گئی۔

اُسے اس عورت سے نفرت تھی نہ کسی اور سے۔ لیکن اُسے زندگی سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔

"آؤ — یہاں بیٹھو" عورت نے اُسے دوسری کرسی پر بٹھا دیا — "تمہیں دیکھوں تو"

عورت اُسے عجیب طرح دیکھ رہی تھی — وہ بالکل بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ ساتھ ہی بیچاری عورت پر ترس آ رہا تھا۔ یہ جذبہ ترحم محض ایک غم کی ماری ہوئی عورت کے لیے ہی نہ تھا بلکہ ان سب جاندار چیزوں کے لئے تھا جن کی تگ و دو اس قدر مضحکہ خیز ہے، جن کی موت بھی اتنی ہی مہمل ہے۔

اس کی نگاہوں میں اس عورت کا ماضی پھرنے لگا۔ ایک نوخیز حسینہ پنگھوڑے کے پاس بیٹھی اپنے بچے کو دیکھ رہی تھی — عورت کا یہ نہتا مزا کرشمہ بے بس تنہا خاموش تھا — لیکن زندگی اور زندگی کی اُمیدیں اور ولولے — سب اُسی سے وابستہ تھے۔ حسینہ پنگھوڑے کو ہلا کر لوریاں گا رہی تھی۔ اُس نے عورت کی طرف دیکھا۔ اب یہ کتنی بدل چکی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھا۔ دھڑکر سائیکل سنبھالی اور تاریک گلی میں غائب ہوگیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، ہونٹ لرز رہے تھے۔

تار گھر پہنچا تو آنسو خشک ہو چکے تھے، لیکن دل میں طرح طرح کے جذبے اُبل رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ یہ محسوسات یونہی رہیں گے۔ مدافعت بے سود ہے۔ ورنہ پھر زندگی اور موت میں فرق ہی کیا ہوا۔

# ایک گیت

تار گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ یکایک تار کی مشین بجنے لگی۔ ہومر نے گروگن کی طرف دیکھا، وہ چپ چاپ بیٹھا تھا۔

"مسٹر گروگن ــ پیغام آرہا ہے ــ" اس نے بوڑھے کو ذرا سا ہلایا۔

"مسٹر گروگن ــ اُٹھئے ــ کوئی بُلا رہا ہے"

دوڑ کر ہومر ایک برتن میں پانی لایا۔ چھینٹے دینے لگا تھا کہ جھجک گیا۔

"اُٹھئے ــ مسٹر گروگن ــ اُٹھئے ــ" وہ پھر چلّایا۔ آخر اسے چھینٹے مارنے ہی پڑے۔ بوڑھا ٹھنڈے پانی سے چونک پڑا اور جلدی سے تار کی مشین سنبھال لی۔

"اچھا ــ اب جلدی سے کافی کا پیالہ ــ"

ہومر دوڑ کر کاربٹ کی دکان سے کافی لایا۔ اتنے میں بوڑھے کی آنکھیں پھر بند ہو چلی تھیں۔

"شاباش ــ بالکل درست تھا ــ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ــ شاباش"

بوڑھے نے گرم گرم کافی کی چسکی لی۔

"پہلے سرد پانی کے چھینٹے ــ پھر سیاہ کافی ــ"

"جی ہاں، مجھے اچھی طرح یاد ہے ــ یہ تار ضروری ہے کیا؟"

"نہیں، بالکل غیر ضروری ہے ــ کاروباری تار ہے۔ کچھ لوگ دولت جمع کرتے

رہتے ہیں۔ اُن میں سے کسی نے بھاؤ وغیرہ بھیجے ہیں۔ رات کو پہنچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صبح دے آنا۔ لیکن اسے وصول کرنا بہت اہم تھا۔" اب بوڑھا چوکنا ہو چکا تھا۔
"وہ مجھے ملازمت سے برطرف کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ مشینیں لگا دی جائیں ۔" بوڑھا حقارت سے ہنسا۔" طرح طرح کی نوایجاد مشینیں انسانوں کی جگہ کام کریں گی۔ آج وہ مجھے نوکری سے ہٹا دیں تو پتہ نہیں میرا کیا حشر ہو۔ ہفتے دس دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکوں۔ میں نے زندگی بھر کام کیا ہے۔ اب میں کام نہیں چھوڑ سکتا۔"

"جی۔"

"تم قابلِ اعتماد ہو۔ تم میری مدد کرو گے۔ کیونکہ تم نے ابھی ابھی میری مدد کی ہے۔ جیتے رہو برخوردار۔"

تار کی مشین کھڑک رہی تھی۔ بوڑھا پیغام ٹائپ کر رہا تھا۔

"وہ مجھے نکالنا چاہتے ہیں۔ شاید انہیں پتہ نہیں کہ کسی زمانے میں میں دنیا کا بہترین تار بابو تھا۔ ولسنگی سے بھی بہتر۔ تار بھیجنے اور وصول کرنے میں میرا کوئی مقابل نہ تھا۔ مجھ سے ایک غلطی بھی نہیں ہوتی۔ دنیا بھر کے تار گھر میرے نام سے آشنا تھے۔ سب جانتے تھے کہ ولی گروگن سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا۔"

بوڑھے نے ہومر کی طرف دیکھا۔" ہو جائے ایک گیت ۔۔ ہم تم ابھی زندہ ہیں۔"
ہومر گانے لگا۔

# اگر پیام آیا

مسز میکا لے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ ہومر گھر پہنچا تو رات کے بارہ بج چکے تھے اس کی پلکیں نیند سے بوجھل تھیں۔ وہ بےحد تھکا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کی والدہ بھانپ گئی کہ آج وہ متوحش اور بےچین ہے۔ وہ کچھ دیر اندھیرے میں کھڑا رہا۔ پھر اندر جا کر دن بھر کی اہم خبریں بتانے کی بجائے کہنے لگا۔ "امی سب ٹھیک ہے۔ بس آپ اتنی دیر تک میرا انتظار نہ کیا کریں۔"

"مجھے علم ہے ـــ آؤ یہاں بیٹھ جاؤ۔"

وہ پرانی کرسی پر دھم سے گر پڑا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟ پریشان سے ہو۔"

"سوچ رہا ہوں کہ کس طرح آپ کو بتاؤں۔ آج ایک میکسیکن خاتون کے ہاں مجھے تار لے جانا پڑا۔ تار شعبۂ جنگ سے آیا تھا۔ اُن کا لڑکا لڑائی میں مارا گیا لیکن انہیں یقین ہی نہ آتا تھا۔ آج تک میں نے کسی کو اس قدر دل شکستہ نہیں دیکھا۔ انہوں نے مجھے مٹھائی کھلائی۔ بہت سا پیار کیا اور کہا کہ میں اُن کا بیٹا ہوں۔ وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھیں کہ مجھے خود یہ محسوس ہوا جیسے میں اُن کا ہی بیٹا ہوں۔ میرا جی بہت خراب ہوا۔ دفتر پہنچا تو تار بابو نشے میں دھت تھا۔ اُس کی ہدایت کے مطابق پہلے اُس کے منہ پر پانی چھڑکا۔ پھر سیاہ کافی کا پیالہ پلایا۔ اگر اس نے ٹھیک طرح کام نہ کیا تو اسے پنشن پر

بھیج دیں گے۔ پنشن کے نام سے اُسے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ خیر آج تو وہ ہوش میں آگیا تھا۔ اپنے متعلق وہ باتیں سناتا رہا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر گانا گایا — لیکن میں اداس سا ہو گیا۔"

وہ کمرے میں ٹہلنے لگا، پھر دروازے میں جا کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے لگا۔ "نہ جانے آج کیوں اپنے آپ کو اس قدر تنہا محسوس کر رہا ہوں۔ جب ابّا فوت ہوا، ایسے خیالات تو تب بھی نہیں آئے۔ کیونکہ اُن کے سدھارنے پر آپ ہمارا آسرا بن گئیں۔ آپ نے کبھی ہمیں یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ کوئی تغیر آیا تھا۔ سب کچھ پہلے کی طرح ہے۔ لیکن آج پتہ نہیں کیوں معلوم ہو رہا ہے کہ بہت کچھ بدل چکا ہے —"

وہ مُڑا اور اپنی والدہ سے مخاطب ہوا۔ "امّی! فقط دو ہی دنوں میں اتنا تغیر کیسے آگیا۔ میں اداس ہوں، دل برداشتہ ہوں۔ لیکن وجہ نہیں جانتا —"

اس کی والدہ خاموش تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ لڑکا باتیں کرتا رہے۔

"میں نہیں جانتا کہ دُنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے — اور کس لئے ہو رہا ہے — میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو کبھی کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ ہر شے میں تغیر آجائے لیکن آپ گھر میں کوئی تغیر نہ آنے دیں۔"

اس کی والدہ مسکرانے لگی۔ جب لڑکا خاموش ہو چکا تو بولی — "بیٹے یہ تغیر جو تمہیں محسوس ہو رہا ہے — ہے بھی اور نہیں بھی۔ یہ احساسِ تنہائی اس لئے ہے کہ تم اب بچے نہیں رہے۔ لیکن تنہائی کہاں نہیں؟ یہ تو ازل سے دُنیا میں ہے۔ لڑائی سے اس کا کوئی واسطہ

## اگر پیام آیا

نہیں۔ جنگ اسے تخلیق نہیں کرتی بلکہ یہ خود انسان کو جنگ لڑنے پر اکساتی ہے ـــ جب ہر چیز سے برکت اُٹھ جاتی ہے اور انسان کا عقیدہ ڈگمگانے لگتا ہے۔ لیکن ہم ہمیشہ اکھٹے رہیں گے ـــ ہم نہیں بدلیں گے ـــ"

وہ سوچ رہی تھی کہ اگر کسی روز ایسی ویسی خبر آگئی تو پھر کیا ہو گا ـــ" اگر کسی دن مجھے وہ پیغام ملا جو آج مسز کیکن خاتون کو ملا تھا تو میں اس کا ایک ایک حرف سچ مان لوں گی۔ میں روؤں گی بھی نہیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرے بیٹے کو کوئی فنا نہیں کر سکتا ـــ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے آج کیا کھایا تھا؟"

"سموسے کھائے تھے۔ سیب، ناریل اور بالائی کے مزے دار سموسے مینجر صاحب نے دیے تھے۔ امی وہ بڑے اچھے آدمی ہیں ـــ"

"کل عیسیٰ کے ہاتھ دوپہر کا کھانا بھجواؤں گی ـــ"

"نہیں امی، مجھے دوپہر کا کھانا نہیں چاہیئے۔ آپ تکلیف نہ کیجیے۔ ہم اکھٹے مل کر کہیں باہر نکل جاتے ہیں اور کھانا کھا لیتے ہیں، خوب لطف آتا ہے۔ یہ ملازمت بہت اچھی ہے۔ اب مجھے سکول اتنا اچھا نہیں لگتا ـــ"

"بیٹا سکول اس لیئے ہیں کہ بچوں کو گلیوں کی آوارگی سے بچائیں۔ لیکن ایک نہ ایک دن بلوغ آدر کر ہا سب کو گلیوں میں نکلنا ہی پڑتا ہے۔ والدین بچوں کو اتنی بڑی دنیا میں بھیجنے سے ڈرتے ہیں۔ اُن کا یہ ڈر فطری ہے۔ لیکن بچوں کو کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ یہ دنیا ڈرے ہوئے بچوں سے پہلے ہی بھری پڑی ہے۔ خود خوفزدہ ہیں، اس لیئے دوسروں

کو بھی خوفزدہ کر دیتے ہیں۔ بیٹے تم کسی سے مت ڈرنا۔ جو ملے اس سے محبت سے پیش آنا۔ ہر رات اس کمرے میں تمہارا انتظار کروں گی۔ لیکن جب تمہارا جی باتیں کرنے کو نہ چاہے تو سیدھے جا کر سو جایا کرو۔ میں بُرا نہیں مانوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ بعض اوقات زبان اُن جذبات کا اظہار نہیں کر سکتی جو دل میں ہوتے ہیں — تم تھکے ہوئے ہو، سو جاؤ —"

"بہت اچھا، امّی —" ہومر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

# اے خُدا ہمارے قریب رہ

صبح سات بجے الارم بجا، ہومر نے جلدی سے اسے خاموش کر کے کتاب نکالی جس میں ورزش کی ہدائتیں تھیں۔ اس کا چھوٹا بھائی بھی گھنٹی کے شور سے جاگ اُٹھا تھا۔

ہومر سبق نمبر سات پڑھنے لگا۔ اُلی سس بازو کی آڑ لے کر بڑے غور سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ہومر نے اچھل کود کی، لمبے لمبے سانس لے کر فرش پر لیٹ گیا اور آہستہ آہستہ پاؤں اوپر اٹھانے لگا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"ورزش۔"

"ورزش کس لئے کرتے ہیں؟"

"پٹھوں کو مضبوط بنانے کے لئے۔"

"آپ دُنیا میں سب سے طاقتور انسان بننا چاہتے ہیں؟"

"نہیں تو۔"

"تو پھر کیا بننا چاہتے ہیں؟"

"تم چپ چاپ سو رہو۔"

اُلی سس فرمانبردار بچے کی طرح لیٹ گیا۔ مگر ذرا سی دیر میں پھر اٹھ بیٹھا۔ ہومر کپڑے

تبدیل کر رہا تھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"سکول"

"پڑھنے جا رہے ہیں؟"

"آج دو سو بیس گز کی دوڑ میں حصہ لوں گا"

"دوڑتے کس طرح ہیں؟"

"دس دس گز کے فاصلے پر لکڑی کے چوکھٹے ہوتے ہیں، بھاگتے وقت انہیں بھی پھلانگنا پڑتا ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ یہ ضروری ہے۔ سب پھلانگتے ہیں۔ جو اس قصبے میں پیدا ہوتا ہے اُسے اس دوڑ میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اکاتھا میں یہ دوڑ بڑی مشہور چیز ہے۔ ہمارے دفتر کے منیجر صاحب نے سکول میں یہ دوڑ جیتی تھی۔ وہ اس علاقے کے چیمپین تھے۔"

"علاقے کا چیمپین کیا ہوتا ہے؟"

"جو سب کو ہرا دے وہ چیمپین کہلاتا ہے"

"آپ بھی سب کو ہرا دیں گے؟"

"پتہ نہیں — میں کوشش کروں گا — تم سوتے کیوں نہیں؟"

آلی ستس بستر میں دبک گیا اور آہستہ سے بولا ۔ "کل میں نے مال گاڑی دیکھی تھی ۔"

ہومر کو پتہ تھا کہ چھوٹا بھائی کیا بتانا چاہتا ہے ۔ اُس نے خود وہ ٹرین دیکھی تھی ۔ وہ مسکرانے لگا ۔ "کیسی تھی مال گاڑی ؟"

"اُس میں ایک حبشی تھا جس نے میرے سلام کا جواب دیا ۔"

"پہل کس نے کی تھی ؟"

"پہلے میں نے سلام کیا ، اس نے جواب دیا ۔ پھر میں ہاتھ ہلاتے گیا ۔ وہ بھی ہاتھ ہلاتا رہا ۔ وہ کنٹکی کا گیت گا رہا تھا ۔"

"اچھا ؟"

"اس نے یہ بھی کہا تھا ۔ میں وطن جا رہا ہوں ۔ بھائی جان ہم وطن کب جائیں گے ؟"

"ہم تو وطن میں ہیں ۔"

"تو وہ یہاں آجاتا ۔"

"اپنا اپنا وطن ہوتا ہے ، کسی کا وطن مشرق میں ہے ، کسی کا مغرب میں ، کسی کا شمال یا جنوب میں ۔"

"مغرب سب سے اچھا رہتا ہوگا ۔"

"پتہ نہیں ۔ میں یہاں سے کبھی باہر نہیں نکلا ۔"

"آپ باہر جائیں گے نا؟"

"ضرور جاؤں گا۔"

"کہاں جائیں گے؟"

"نیویارک!"

"وہ کہاں ہے؟"

"مشرق میں ہے۔ نیویارک سے لندن۔ وہاں سے پیرس۔ پھر برلن۔ وی آنا، روم، ماسکو، سٹاک ہوم۔ کبھی یہ سب عظیم شہر دیکھوں گا۔"

"آپ واپس تو آجائیں گے نا؟"

"ہاں۔"

"واپس آکر آپ کو خوشی ہوگی؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ یہاں امی ہوں گی۔ مارکس اور بیس ہوں گے۔ تم ہوگے۔ اور میری ایرینا اور اس کے ابا ہوں گے۔ واپس گھر پہنچنے کی بڑی خوشی ہوگی۔ ہم پیانو بجائیں گے، گائیں گے، اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔"

"آپ پردیس نہ جائیے۔" چھوٹے بھائی نے التجا کی۔ "للہ نہ جائیے۔"

"میں ابھی تھوڑا ہی جا رہا ہوں۔"

"آپ پردیس مت جائیے۔ ابا گئے وہ واپس نہیں آئے۔ مارکس اب تک پردیس میں ہے۔ آپ بھی جانا چاہتے ہیں؟"

"لیکن مجھے باہر جانے میں بہت دیر لگے گی — اچھا ننھے اب تم سو جاؤ۔"

"ابھی سو جاؤں گا — تو آپ بائیس گز کی دوڑ میں حصّہ لیں گے —"

"بائیس نہیں — دو سو بیس گز۔"

ہومر کی والدہ اور بہن ناشتے پر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ تینوں نے پہلے دُعا مانگی۔ پھر کھانے لگے۔

"تم نے کونسی دُعا پڑھی؟" بیس نے بھائی سے پوچھا۔

"وہی جو روز پڑھتا ہوں۔" ہومر نے دُعا کے الفاظ دوہرائے —

"اے خدا ہمارے قریب رہ
پیارے خدا ہر وقت ہمارے ساتھ رہ
ہم پر اپنی برکتیں اُتار
بہشت میں ہمیں اپنی ضیافت پر بُلا
آمین!"

"یہ تو بہت پرانی ہے اور تم اسے یوں ادا کرتے ہو جیسے رٹی ہوئی عبارت دوہرا رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں جلدی میں ہوتا ہوں اور بھوکا ہوتا ہوں۔ ویسے مجھے اس کے

معنے آتے ہیں۔ بھلا الفاظ میں کیا دھرا ہے، اصل مقصد تو خدا کو یاد کرنا ہے اور آپ نے کونسی دعا پڑھی؟"

"پہلے اپنی دعا کے معنے بتاؤ۔"

"دعا کے معنے وہی ہوتے ہیں جو ہونے چاہئیں۔"

"تو پھر بتاؤ۔ کیا معنے ہیں؟"

"اے خدا ہمارے قریب رہ۔ اس کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے نزدیک رہ۔ خدا سے مراد کئی چیزیں ہو سکتی ہیں لیکن وہ سب کی سب پاکیزہ اور اعلےٰ ہیں۔ ہر وقت ہمارے ساتھ رہ۔ یعنی ہمیں ہر اچھی شے سے محبت کرنے کی عطا حیت عطا فرما۔ ہم پر اپنی برکتیں اتار۔ تاکہ ہم معاف کرنا سیکھیں۔ محبت کرنا سیکھیں۔ سب اچھی اچھی باتیں سیکھ جائیں۔ بہشت میں ہمیں اپنی ضیافت پر بلا۔ اس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یعنی بہشت میں جو ضیافتیں ہوں گی ان پر ہمیں نہ بھولے گا۔"

"لفظ 'خدا' سے کس طرف اشارہ ہے؟"

ہومر اپنی والدہ سے کہنے لگا۔ "کیوں امی دعا کا یہی مطلب ہے نا؟ اچھے لوگ جب کھانے کی میز پر بیٹھتے ہیں تو گویا بہشتی ضیافت میں شریک ہوتے ہیں۔ لفظ 'خدا' کے کئی معنے ہو سکتے ہیں۔"

"تو 'خدا' کوئی نہ کوئی تو ہوا نا؟" بیس نے پوچھا۔

"ہاں، جیسے میں کوئی نہ کوئی ہوں۔ امّی اور آپ اور دوسرے لوگ بھی کوئی نہ کوئی ہیں۔ دُعا کے ذریعے یہ خواہش ظاہر کی گئی ہے کہ ہمارے لئے دُنیا بہشت بن جائے اور جو ہمارے ساتھ کھانا کھائے، وہ ضرور کوئی نہ کوئی ہو۔ آپا یہ ایک معمولی سی دُعا ہے۔ آپ تو یونہی لٹھ لے کر پیچھے پڑ گئی ہیں۔ آپ کتنا ہی پریشان کیوں نہ کریں میرے عقیدے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس دُعا پر میرا عقیدہ ہے۔ بلکہ ہم سب کا عقیدہ ہے۔ کیوں امّی؟"

"سچ کہتے ہو۔" مسز میکالے بولی۔ "یہ عقیدہ ہی ہے جس سے لوگ زندہ ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو دُنیا بھر کی نعمتیں سامنے رکھی ہیں، ضیافت کا سماں نہیں بندھتا۔ عقیدہ ہی ہر شے میں رنگ بھرتا ہے۔"

"سُن لیا آپا۔" ہومر نے دفعتاً بحث ختم کر دی۔ "آج میں دو سو بیس گز کی دوڑ میں حصّہ لوں گا۔"

"اچھا۔؟"

"یہ یہاں کی بڑی مشہور دوڑ سمجھی جاتی ہے۔ دوڑنے کے علاوہ اس میں کُودنا بھی پڑتا ہے۔ جب مسٹر سپنگلر سکول میں تھے تب وہ بھی دوڑے تھے۔ اُن کی جیب میں ہر وقت ایک اُبلا ہُوا انڈا ہوتا ہے۔ وہ اسے خوش نصیبی کی علامت سمجھتے ہیں۔"

"جیب میں اُبلا ہُوا انڈا — کچھ وہمی سے معلوم ہوتے ہیں۔" بیس بولی۔

"وہمی ہوں یا کچھ اور، مجھ پر بڑے مہربان ہیں۔ اُنہوں نے مجھے دوسو سے لے کر

دیتے، مسٹر گروگن تو چوتھائی حصّہ بھی نہ کھا سکے۔ اُنہیں کھانے سے زیادہ پینے سے رغبت ہے۔"

اتنے میں میری ایرینا پڑوس سے آگئی۔ اُس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پیالہ تھا۔

"آئیے — ناشتہ کیجئے —" ہومر بولا

"شکریہ — میں نے ابھی ابھی ابّا کے ساتھ ناشتہ کیا ہے۔ اُنہیں کام پہ بھیج کر آ رہی ہوں۔ اس پیالے میں تھوڑا سا آڑوؤں کا مربّہ ہے۔"

"میں مشکور رہوں۔ تمہارے ابا کیسے ہیں؟"

"جی اچھے ہیں۔ بس ہر وقت چھیڑتے رہتے ہیں۔ صبح اُٹھتے ہی پہلا سوال ہوتا ہے کہ مارکس کا کوئی خط آیا؟"

"مارکس کا خط آتا ہی ہوگا — آؤ میری ہم چلیں —" بیس اُٹھ کھڑی ہوئی

"چلو —" میری بولی۔ پھر مسز میکالے سے کہنے لگی — "میں کالج سے سچ مچ تنگ آ چکی ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہائی سکول میں دوبارہ پڑھ رہی ہوں۔ سکول جانے کی میری عمر نہیں رہی، جی چاہتا ہے کہیں ملازمت کر لوں۔"

"جی تو میرا بھی یہی چاہتا ہے —" بیس بولی

"تم تو نری بچیاں ہو۔ بھلا سترہ برس کی بھی کوئی عمر ہے۔ میری کے ابا اچھی جگہ ملازم ہیں۔ بیس کے بھائی کی نوکری بھی بُری نہیں۔ تمہیں فکر نہیں کرنی چاہئے —"

اے خدا ہمارے قریب رہ

"مگر یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مارکس تو فوج میں ہو، دنیا میں سب ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہوں اور میں مزے اڑاؤں۔ اگر میں لڑکا ہوتی تو سپاہی بنتی۔ پھر میں اور مارکس فوج میں اکٹھے ہوتے۔"

"فکر مت کیا کرو میری ۔۔۔" مسز میکالے بولیں۔ "یہ کڑے دن گزر جائیں گے۔ وہی زمانہ آجائے گا جو پہلے تھا۔"

میری اور بیس دونوں چلی گئیں۔ ہومر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔ "امّی! اس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"اس میں حرج ہی کیا ہے، لڑکیوں کا جی چاہ رہا تھا باہر چلی گئیں۔"

"جی نہیں، میں تو میری کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"میری بڑی پیاری لڑکی ہے، بھولی بھالی، نیک اور کہنا ماننے والی۔ میں بہت خوش ہوں کہ مارکس اسے چاہتا ہے۔ اس سے بہتر اُسے کوئی لڑکی نہیں مل سکتی۔"

"وہ تو میں سب جانتا ہوں۔ میں کچھ اور کہہ رہا تھا ۔۔۔ امّی آپ سمجھی نہیں۔"

وہ خاموش ہوگیا اور سوچنے لگا کہ اب امّی کو کیا بتاؤں کہ اس جنگ میں بہت سے لوگوں کے دل دُکھیں گے، ان لوگوں کو صدمہ پہنچے گا جو جنگ سے سدا دُور رہیں گے۔

"میں رات کو لوٹوں گا۔" ہومر سلام کر کے چلا گیا۔ مسز میکالے سوچ رہی تھی کہ لڑکا کیا کہنا چاہتا تھا۔ اچانک ننھا آلی سس سامنے آگیا جو شب خوابی کے لباس میں

بہت چھوٹا سا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنی والدہ کو بڑی پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ایک جاندار اپنی نوع کے دوسرے جاندار کو دیکھ کر مسرت اور تسکین کا اظہار کرتا ہے۔

"امی، وہ یہ کیوں کہہ رہا تھا کہ میرے محبوب مت رو — آج مت رو۔"

"کون؟"

"وہ حبشی جو مال گاڑی میں جا رہا تھا۔"

"وہ تو گیت گا رہا تھا، اب تم کپڑے بدل لو۔"

"وہی حبشی آج بھی ٹرین میں ہوگا؟"

"ہاں۔"

# یہیں کہیں خرگوش ہیں

سکول جاتے وقت ہومر ایک عجیب سے احاطے کے قریب سے گذرا۔ اندر فضول سی جھاڑیاں اور بیلیں تھیں اور چاروں طرف بوسیدہ جنگلہ۔

اندر کا جھاڑ جھنکار تو بے مصرف تھا ہی، یہ جنگلہ تو بالکل بیکار تھا۔ ایسے قطعے کی حفاظت کرنا اچھا خاصا مسخرا پن تھا۔

ہومر نے پھرتی سے سائیکل روکی۔ اسے ایک طرف پھینک کر جنگلے کی طرف اس طرح بھاگا جیسے وہاں کوئی تماشا ہو رہا ہو۔ جنگلہ ناپا، لکڑی کے اُن چوکھٹوں سے جنہیں اسے دوڑ میں پھلانگنا تھا۔ یہ جنگلہ ایک گز اونچا تھا اور اس کی کمر سے ذرا اوپر آتا تھا۔ اس نے بڑے غور سے جگہ کا مطالعہ کیا۔ دوسری طرف کی جھاڑیاں دیکھیں، قدم گن کر دس گز کے فاصلے پر نشان لگایا اور جنگلے کی طرف دوڑا۔ قریب پہنچ کر زور سے چھلانگ لگائی، جنگلے سے ٹھوکر کھا کر دھڑام سے دوسری طرف گرا۔ ٹہنیوں اور بیلوں کو ہٹا کر اٹھا اور دوسری مرتبہ کوشش کی۔ پھر گرا اور ٹھوکر سے جنگلے کی لکڑی توڑ ڈالی۔

سات مرتبہ کوشش کی اور ہر دفعہ ناکامیاب رہا۔ جنگلے کے پرخچے اڑ چکے تھے۔ سامنے کے شکستہ مکان کا دروازہ کھلا۔ ایک بوڑھا مُنہ میں پائپ دبائے باہر نکلا اور اس کودو پھاند کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

اس مرتبہ جو ہومر جھاڑیوں سے برآمد ہوا تو بوڑھے نے پوچھا ۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"چھلانگ لگانے کی مشق کر رہا ہوں۔"

"چوٹ تو نہیں لگی؟"

"نہیں — بس یہ جنگلہ ذرا اونچا ہے، اُدھر گھاس پھونس پہ بھی پاؤں پھسل جاتا ہے۔"

"ان جھاڑیوں کو خرگوش بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ گیارہ برس ہوئے میں نے یہاں بہت سے خرگوش پال رکھے تھے۔ کسی نے رات کو دروازہ کھول دیا اور سب بھاگ گئے۔"

"دروازہ کس نے کھولا؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔ آج تک پتہ نہ چل سکا کہ کون تھا۔ تینتیس خرگوش تھے ایک سے ایک خوبصورت، گلابی آنکھیں، پیاری پیاری شکلیں — کسی نے ناحق بھگا دیئے۔"

"آپ کو خرگوش پسند ہیں؟"

"بہت پسند ہیں۔ بڑے حلیم الطبع ہوتے ہیں۔ پالتو خرگوش تو نہایت ہی غریب ہوتے ہیں — گیارہ برس سے تینتیس خرگوش بالکل آزاد ہیں۔ اب تک تو نہ جانے تعداد کہاں پہنچی ہوگی۔ جس تیزی سے ان کی نسل بڑھتی ہے اس سے تو مجھے یہی شبہ رہتا ہے کہ سارا قصبہ خرگوشوں سے بھرا ہوا ہوگا۔"

"میں نے تو یہاں کوئی خرگوش نہیں دیکھا۔"

"شاید تمہیں نظر نہ آئے ہوں لیکن وہ سب یہیں کہیں ہیں۔ چند سال اور گذر گئے تو

اتنے سارے خرگوش یہاں کے باشندوں کا جینا محال کر دیں گے۔"

ہومر نے سائیکل سنبھالی۔ "اچھا میں چلوں۔ آپ سے پھر کبھی ملاقات ہوگی۔"

"ضرور ہوگی۔ میرا نام چارلس ہے۔ لیکن تم مجھے چارلی کہہ لیا کرو۔"

"بہت اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔ سہ پہر کو مجھے دو سو میل گز کی دوڑ میں حصہ لینا ہے۔"

"میں نے کبھی سکول کی شکل تک نہیں دیکھی، البتہ ہسپانیہ اور امریکہ کی جنگ میں لڑا تھا۔"

"اچھا؟"

"ہاں! ہسپانیہ اور امریکہ کی جنگ میں، اور زیادہ وقت خرگوشوں کی طرح دوڑنے میں گذرا۔"

ہومر سائیکل پر روانہ ہوگیا۔ بوڑھا اپنے مکان کی طرف چل دیا۔ راستے میں ایک جھاڑی میں چھڑی گھونپ کر بولا۔ "خرگوش یہیں ہونے چاہئیں۔ ضرور یہیں کہیں ہوں گے۔"

# تاریخِ قدیم

ہائی سکول کے میدان میں دو سو بیس گز کی دوڑ کی سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ چار لڑکے مشق کر رہے تھے۔ چاروں خوب چست اور پھرتیلے تھے۔ لکڑی کے کھونٹوں کو بڑی صفائی سے پھلانگتے جا رہے تھے۔ دوڑ ختم ہوئی تو ڈرل ماسٹر بائی فیلڈ گھڑی تھامے ہوئے آیا اور اوّل آنے والے لڑکے سے بولا "شاباش ایکلے"

جسے شاباش ملی وہ دوسرے لڑکوں سے کچھ مختلف ضرور تھا۔ لیکن ایسا نہیں کہ نرالا سمجھا جائے۔ چال ڈھال سے وہ کسی ایسے خوش نصیب کنبے کا معلوم ہوتا تھا جو فکرِ معاش سے سدا آزاد رہا ہو بلکہ جس نے دوسروں کو بھی آڑے وقت میں مدد دی ہو۔

"ابھی تمہیں بہت کچھ سیکھنا ہے۔ لیکن شام کی دوڑ ضرور جیت جاؤ گے۔"

"جی میں پوری کوشش کروں گا۔" لڑکے نے کہا

"اس دوڑ میں تو تم یقیناً نکل جاؤ گے لیکن جب قصبے بھر کے لڑکے شریک ہوں گے تو مقابلہ سخت ہو گا۔ ان دو ہفتوں میں تمہیں کافی مشق کرنی ہو گی۔ جاؤ نہا لو اور سہ پہر تک آرام کرو۔"

"جی میں نے زیادہ وقت تو نہیں لیا؟"

"نہیں کچھ اتنا زیادہ تو نہیں تھا لیکن کم بھی ہو سکتا تھا۔ فکر مت کرو۔ جو میں نے سکھایا ہے اُس پر عمل کرو، ضرور جیت جاؤ گے۔"

## انسانی تماشہ

باقیماندہ لڑکے ایک طرف کھڑے سُن رہے تھے۔

"نخرے تو کرتا ہے لیکن کمبخت ہر دفعہ جیت جاتا ہے۔ سالم تم کچھ نہیں کرتے۔"

"میں کیا کروں۔ تم خود کیوں نہیں کرتے۔ ہراؤ اسے ——"

"میں دوسرے نمبر پہ تو آ ہی جاتا ہوں ——"

"دوم آنا ایسا ہی ہے جیسے سوئم آنا۔"

"مسئلہ ہو گئی —— ہیوبرٹ ایکلے جیسا لڑکا ہمیں ہر بار ہرا دے —— شرم آنی چاہیئے یارو۔"

"اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ وہ ہم سب سے بہتر دوڑتا ہے، بس۔"

بائی فیلڈ اب ان کی جانب متوجہ ہُوا اور بڑی بے اعتنائی سے بولا ——

"نکموں کی طرح باتوں میں وقت ضائع مت کرو —— چلو ایک دفعہ اور دوڑو۔"

لڑکے دوڑنے لگے۔ بائی فیلڈ نے انہیں دوڑا دوڑا کر بالکل تھکا دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہیوبرٹ ایکلے کو جِتانے کا فیصلہ پہلے سے ہی کر چکا تھا۔

تاریخ قدیم کا لیکچر شروع ہونے والا تھا۔ اُستانی مس ہکس منتظر تھی کہ سب بیٹھ جائیں تو سبق شروع کرے۔ اس کی عادت تھی کہ جب تک "بچے" بالکل خاموش نہ ہو جاتے وہ انتظار کرتی رہتی۔ آخر بچوں کو کتابی سبق کے علاوہ عملی سبق کی بھی تو ضرورت تھی۔ بچے آج سکول میں ہیں تو کل ذمہ دار شہری بنیں گے۔

ایک لڑکی ہیلن ایلیٹ داخل ہوئی۔ ہومر بیوقوفوں کی طرح اُسے دیکھنے لگا۔ اس کے

خیال میں وہ کرۂ ارض کی حسین ترین لڑکی تھی۔ وہ مغرور تھی۔ لیکن ہومر غرور کو ایک عارضی کیفیت سمجھتا۔ حالانکہ یہی غرور ہومر کی محبت میں حائل تھا۔

اس کے بعد ہیوبرٹ اکیلے داخل ہوا۔ وہ سیدھا ہیلن کے پاس گیا اور کھسر پھسر کرنے لگا۔ ہومر کو جیسے آگ لگ گئی۔

طلبا آچکے تھے۔ مس بکس نے کہا۔ "بس اب خاموش ہو جاؤ۔ کون کون غیر حاضر ہے؟"

"ایک تو بندہ غیر حاضر ہے۔" جوزف بولا، جو جماعت کا مسخرا تھا۔ اس کے چار پانچ ساتھی جو اس قسم کے بے ڈھنگے مزاح کے دلدادہ تھے، زور زور سے ہنسنے لگے۔ ہیلن اور ہیوبرٹ نے بڑی حقارت سے پیچھے مڑ کر دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں یہ کون بدتمیز دیہاتی ہیں؟

اس سے ہومر اتنا چڑا کہ جب سب ہنس چکے تو اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور اپنے رقیب ہیوبرٹ اور محبوبہ ہیلن کی طرف دیکھ کر بولا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہو ہو۔ ہو۔

یہ تماشا کر کے جوزف کو ڈانٹنے لگا۔ "جوزف! مس بکس بول رہی ہیں تو چپ رہا کرو۔"

"جوزف اور ہومر! تم دونوں چپ رہو۔" مس بکس بولی۔

"بچو، کل ہم نے اشوریوں کے متعلق پڑھا۔ نئے سبق کو توجہ سے سنو۔ پہلے کتاب

پڑھیں گے۔ پھر زبانی بحث ہوگی۔"

مسخرا پھر بول پڑا۔ "زبانی بحث بیکار ہے۔ کیوں نہ خاموشی سے بحث کی جائے تاکہ میں کچھ دیر سو لوں۔"

اس کے چیلے پھر ہنسنے لگے۔ پیٹر اور ہیو برٹ نے پھر غصے سے مڑ کر دیکھا۔ انسانی خاموش ہو گئی۔ جہاں اس مسخرے کی باتوں پر ہنسی آتی تھی، وہاں اُسے سیدھا کرنا بھی ضروری تھا۔ کمبخت حاضر جواب ایسا تھا کہ استانی کو ڈانٹنے میں بھی دیر لگتی۔

"اچھا جوزف، اب اُلٹی سیدھی مت ہانکو۔ چلو تم درست کئے ہو۔ میں غلطی پر ہوں۔" مس ہکس نے کہا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ یونہی مجھے خیال آ گیا کہ بحث ہمیشہ زبانی ہی تو ہوتی ہے۔ بحث کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ بہر حال میں معافی کا خواہاں ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے مربیانہ انداز میں ہاتھ ہلایا۔ "مس ہکس اپنا سبق جاری رکھئے۔"

استانی نے عینک درست کی اور بولی۔ "اچھا اب سب توجہ سے سنو۔"

"توجہ؟ یہ تو سب کے سب اونگھ رہے ہیں۔" جوزف پھر بول اٹھا۔

اب استانی سے نہ رہا گیا۔ "اگر تم خاموش نہ رہے تو پرنسپل کے سامنے جانا پڑے گا۔"

"جی میں تو تھوڑی سی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ انہیں دیکھئے، یہ تو سب کے سب اونگھ رہے ہیں۔"

انسانی تماشہ

"زیادہ مت بکا کرو جوزف ۔ ہمیں پتہ ہے کہ خرافات کے تم ماہر ہو۔۔۔"

ہومر چلّایا۔

"تم دونوں چپ رہو ۔۔۔ صفحہ نمبر ایک سو ستر ۔۔۔ دوسرا پیرا۔"

سب نے صفحہ نکال لیا۔

"بعض اوقات تاریخ قدیم کا مطالعہ خشک اور غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً اس زمانے میں جب کہ ہر روز تاریخ مرتّب ہو رہی ہے۔ شاید بچّوں کو گذرے ہوئے اجنبی سے زمانے کا ذکر فضول سا لگتا ہوگا ۔ لیکن یہ غلط ہے۔ ہمیں اپنے ماضی سے شناسا ہونا چاہئے۔ دنیا میں کیسے کیسے لوگ آئے اور چلے گئے۔ کتنی تہذیبیں پھیلیں اور مٹ گئیں۔ کتنی قومیں بسیں اور تباہ ہو گئیں ۔ سبق کون پڑھے گا؟"

دو لڑکیوں اور ہیوبرٹ نے ہاتھ اٹھائے۔ اُستانی نے ہیلن کو چنا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ بڑے وقار سے چلتی ہوئی سب کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ہومر پھر اُسے بیوقوفوں کی طرح دیکھنے لگا۔ وہ سبق پڑھ رہی تھی تو وہ سوچ رہا تھا کہ صرف چہرہ ہی حسین نہیں آواز بھی سُریلی ہے۔ خوب لڑکی ہے یہ۔

"اشوریوں کی ناک لمبی تھی، سر کے بال لمبے تھے اور داڑھیاں بھی لمبی لمبی تھیں انہوں نے شمال میں نینوا کا عظیم شہر بسایا۔ حطیطیوں، مصریوں اور دوسروں سے جنگیں لڑیں گیارھویں صدی قبل از مسیح میں تغلت پلیسر اوّل کے عہد میں انہوں نے بابل فتح کیا۔ کئی سو سال تک پتھر کے بنے ہوئے نینوا اور اینٹوں سے تعمیر شدہ بابل نے اُن کے

اقتدار کے مدوجزر دیکھے۔ شامی اور اشوری دو مختلف قومیں تھیں۔ ان میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ تغلت پلیسر سوئم نے شامیوں کو شکست دے کر بنی اسرائیل کے دس گمشدہ قبیلوں کو جلاوطن کر دیا۔"

ہیلن سانس لینے کو رُکی تو ہومر جلدی سے بولا۔ "ہیوبرٹ اینکلے سوئم کے متعلق بھی تو بتائیے ۔۔۔ اس نے کیا فتح کیا تھا؟"

اینکلے خفا ہو کر اُٹھا۔ "مس کیس ۔۔۔ میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ اُسے شرارت کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ یا تو آپ ہومر کو پرنسپل کے سامنے پیش کر دیں ورنہ، ورنہ پھر مجھے خود کچھ کرنا پڑے گا۔"

ہومر جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا بکتے ہو ۔۔۔ تین نسلوں سے یہ نام تمہارے خاندان میں چلا آتا ہے۔ پس تم ہیوبرٹ اینکلے سوئم ہو۔ بھلا تم نے کون سا کارنامہ دکھایا ہے۔ سوچا جائے تو ہیوبرٹ اینکلے دوئم یا اوّل نے کون سے تیر مارے تھے ۔۔۔ جواب دو، کیا کیا تھا ان حضرات نے؟"

"کم از کم اینکلے خاندان میں آج تک کوئی گنوار پیدا نہیں ہوا ۔۔۔ گنوار اور ہونق الحس۔"

ابھی اُستانی مناسب الفاظ سوچ رہی تھی کہ ہومر بولا۔ "سنئے نمبر تین صاحب! اگر آپ گالیاں ہی دینا چاہتے ہیں تو کم از کم عام فہم گالیاں دیجئے۔"

"ہونق الحس، بیہودہ شخص کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ انسان جو بالکل ۔۔۔" ہیوبرٹ

نے وضاحت کرنی چاہی۔

"خبردار جو کچھ اور کہا ہے تو۔" ہومر نے اُسے خاموش کرا دیا۔

ہیلن اُستانی کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اجازت ملے تو سبق پڑھنا شروع کرے لیکن اُستانی چُپ تھی۔

آخر ہومر کچھ سوچ کر اٹھا اور ہیوبرٹ کے پاس جا کر بولا۔

"مجھے معاف کر دو۔"

"بہت اچھا۔" ہیوبرٹ بولا۔

"ہومر اور ہیوبرٹ لیکچر کے بعد اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔" اُستانی نے کہا۔

"لیکن مس مکس۔ ہمیں دوڑ میں حصّہ لینا ہے۔" ہومر نے احتجاج کیا۔

"تمہیں کہیں نہیں جانا ہے۔ صحیح تربیت اتنی ہی ضروری ہے جتنی جسمانی نشوونما، بلکہ کچھ زیادہ ہی اہم ہے۔"

"بات یہ ہے مس مکس۔" ہیوبرٹ نے شروع کیا۔ "سارا اسکول چاہتا ہے کہ میں دو ڈھیتوں اور دو ہفتے کے بعد بڑی دوڑ میں بھی کچھ کر کے دکھاؤں۔ بائی فیلڈ مجھے زبردستی یہاں سے لے جائیں گے۔"

"شاید مجھے تو وہ لینے نہ آئیں۔ لیکن میں دوڑوں گا ضرور۔" ہومر بولا۔

"مجھے علم نہ تھا کہ تم بھی حصّہ لے رہے ہو۔" ہیوبرٹ نے پوچھا۔

"اب تو سُن لیا ہے۔" جواب ملا۔

ہومر التجا کرنے لگا۔ "مس کس ۔ ہمیں اس دفعہ معاف کر دیا جائے تو ہم آیندہ کبھی شرارت نہیں کریں گے، ہمیشہ کہنا مانیں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں اور ہیوبرٹ بھی عہد کرتا ہے ۔ کیوں ہیوبرٹ ؟"

"جی ہیں حلف اٹھاتا ہوں ۔" ہیوبرٹ بولا ۔

"تم دونوں لیکچر کے بعد یہیں بیٹھو گے ۔ ہیلن سبق پڑھو ۔"

" ۔ پھر جنوب سے کلدانی اور شمال سے میڈی اور ایرانی فوجوں نے اشوریوں کو مغلوب کر لیا ۔ اتحادی فوجوں کے سامنے نینوا نے ہتھیار ڈال دیئے۔ نبوکد نذر ثانی نے بابل کی سلطنت سنبھال لی ۔ پھر ایرانیوں نے حملہ کیا اور فتح پائی ۔ تغیرات کا یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ آخر اس فاتح قوم کی اولاد کو سکندر اعظم نے شکست دی ۔"

ہومر رات کا تھکا ہوا تھا، کچھ ہیلن کی میٹھی آواز کا اثر ۔ اس نے بازوؤں میں سر چھپا کر اونگھنا شروع کر دیا ۔ لڑکی کی مدھم سی آواز سنائی دے رہی تھی ۔

" ۔ تاریخ کے اس دور سے دنیا کو نہایت قیمتی ورثہ ملا ۔ انجیل میں حضرت موسیٰ کے وضع شدہ قوانین درج ہیں یہ دراصل حمورابی کے بنائے ہوئے اصولوں سے اخذ کئے گئے ہیں ۔ ان کے علم ریاضی میں بارہ کا حاصل ضرب استعمال ہوتا تھا ۔ دس کا مندسہ بھی تھا ۔ ان سے ہم نے ایک گھنٹے کے ساٹھ منٹ اور دائرے کے تین سو اسّی حصے بنائے ۔ گنتی کے ہندسے ہمیں عربوں سے ملے ، رومن اعداد و شمار سے امتیاز کرنے کے لئے جنہیں اب تک عربی اعداد کہا جاتا ہے ۔ اشوریوں نے دھوپ گھڑی ایجاد کی ۔"

ہم نے راس منڈل کے نشانات اور وہ علامات جو دواسازی میں استعمال ہوتی ہیں
بابل کے باشندوں سے لیں۔ تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے، ایشیائے کوچک
میں کھدائی پر ایک عظیم الشان سلطنت کے آثار برآمد ہوئے ——"
ہومر عالمِ غنودگی میں تھا —— وہ سوچ رہا تھا کہ وہ عظیم الشان سلطنت کہاں تھی۔
وہ سلطنت؟ اکا تھا میں؟ کیلیفورنیا میں؟ —— اور کیا ہوئی؟ نہ اس میں عظیم انسان
تھے ۔ نہ ایجادیں تھیں نہ دھوپ گھڑیاں، نہ اعدادِ شمار، نہ راس منڈل، نہ کوئی رنگ و
طرب، نہ کچھ اور —— کہاں تھی یہ عظیم الشان سلطنت؟
وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور ادھر اُدھر جھانکنے لگا ۔ جدھر نگاہیں جاتیں ہیلن کا چہرہ سامنے
آجاتا —— سب سے بڑی سلطنت تو یہ چہرہ ہے ——
"—— حطبطی مصر کے ساحل پر جا پہنچے اور ملک بھر میں پھیل گئے۔ عبرانی خون
میں آمیزش کر کے انہوں نے عبرانیوں کو حطبطی ناک عطا کی ——"
ہیلن خاموش ہو گئی۔ سبق ختم ہو گیا تھا۔
"شاباش —— ہیلن ——" استانی نے کہا۔

# اِنسانی ناک پر ایک تقریر

ہیلن اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ اُستانی نے پوچھا ۔" بچّو آج کے سبق سے کیا سیکھا ؟"
"یہی کہ دُنیا میں ہر شخص کے ناک ہوتی ہے" ۔ ہومر نے جواب دیا ۔
"اور کیا سیکھا ؟"
"اور یہ کہ ناک صرف صاف کرنے یا زکام کروانے کے لئے ہی استعمال نہیں ہوتی بلکہ تاریخ قدیم میں بھی کام آتی ہے ۔"
"کوئی اور بچہ جواب دے ۔" اُستانی نے جماعت کی طرف دیکھا ۔
"جی میں تو سبق کی باتیں بتا رہا ہوں ۔ ناک اتنی اہم چیز نہ ہوتی تو اس کا ذکر کیوں کیا جاتا" ہومر بولا ۔
"تو پھر اُٹھو اور انسانی ناک پر تقریر کرو ۔" اُستانی نے کہا ۔
"تقریر تو کیا کر سکتا ہوں لیکن تاریخ کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ زمانۂ ماضی سے لے کر اب تک چہروں پر ناک ہمیشہ رہی ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کلاس میں ہر چہرے کے ساتھ ایک ناک ہے ۔ چاروں طرف ناکیں ہی ناکیں ہیں ۔ ناک انسانی چہرے کا غالباً مہمل ترین حصّہ ہے ۔ بنی نوعِ انسان کو جتنا ناک نے پریشان کیا ہے کسی اور چیز نے نہیں کیا ۔ قلوپطرہ کی اور بات ہے ۔ اُن کی ناک تو بے حد نفیس تھی ۔ عام ناکوں سے مختلف ۔ لیکن دھوپ گھڑی کی ایجاد کو زیادہ اہمیت نہیں دی

جا سکتی کیونکہ بعد میں کسی نے اصلی گھڑی بنا دی۔ اگر اہم ہے تو بس ایک چیز —
ناک —"

مسٹر اجوزف بڑے اشتیاق سے سن رہا تھا۔ اسے ہومر کی یہ باتیں بہت اچھی
معلوم ہوئیں۔

"— کچھ لوگ بالکل ناک میں بولتے ہیں، کئی ناک کے ذریعے خرّاٹے لیتے ہیں۔
کچھ ہمیشہ ناک کی سیدھ میں چلتے ہیں۔ کمینوں کو نکیل ڈال کر مطیع کیا جا سکتا ہے۔
انسان ناک گھس کر منتیں کرتا ہے۔ توبہ کرتے وقت ناک رگڑتا ہے۔ ناک میں دم
آجائے تو ناک سے تین سیدھی لکیریں کھینچتا ہے۔ خاندان بھر کی ناک بنا رہتا ہے
اپنی ناک پر مکھی تک نہیں بیٹھنے دیتا۔ کسی کی بیہودہ حرکت سے خاندان کی ناک کٹ
جاتی ہے۔ موم کی ناک کو جدھر چاہو موڑ لو۔ ناک کا بال ناک سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔
لوگ دوسروں کے معاملوں میں خواہ مخواہ اپنی ناک ٹھونس دیتے ہیں۔ ناک ساکن ہے
لیکن چہرہ متحرک ہے۔ اس لئے جہاں چہرہ جاتا ہے ناک کو بھی جانا پڑتا ہے۔ ناک
سونگھنے کے لئے ہے — بہت سے لوگ اپنی ناک سے ہی بہت کچھ تاڑ جاتے
ہیں —"

ہومر نے ہیوبرٹ کی طرف دیکھا۔ پھر ہیلن کی طرف، جس کی ناک میں ذرا سا
خم تھا۔

"— ایسے لوگوں کی ناکوں کا رخ آسمان کی طرف رہتا ہے جیسے ناک کے رخ

ہی تو بہشت جائیں گے۔ ایک دو جانوروں کو چھوڑ کر سب کے نتھنے ہوتے ہیں مکمل ناک فقط انسان کے حصے میں آئی ہے۔ پھر بھی حیوانوں کی قوتِ شامہ ہم سے تیز ہے۔ میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ناک ہی فساد کی جڑ ہے۔ اسی سے دوستی ٹوٹتی ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں، کنبوں میں پھوٹ پڑتی ہے۔ جنگوں کی اصل وجہ ناک ہے ـــ مس کمتی، میں دوڑ میں چلا جاؤں ـــ؟"

استانی خوش تو تھی کہ چھوٹی سی بات کو ہومر نے کس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ لیکن بچوں کو قابو میں رکھنا بھی ضروری تھا۔ اس نے سر ہلا کر کہا۔ "نہیں ہومر تم یہیں رہو گے ـــ اور ہیوبرٹ تم بھی۔ اچھا اب ناک کو دفع کرو اور جو کچھ پڑھا ہے اس کے متعلق بتاؤ۔"

کلاس خاموش تھی۔

"کچھ تو کہو۔"

مسخرے جوزف نے اٹھ کر ایک رباعی پڑھی۔

"ناکیں لال لال ہیں
بنفشہ نیلا نیلا ہے
جماعت نیم مُردہ ہے
آپ کا رنگ پیلا ہے ـــ"

"کچھ اور ـــ؟" استانی نے پوچھا۔

انسانی تماشہ

"جہازراں اور سیاح لوگوں کی ناکیں پکوڑے جیسی ہوتی ہیں"۔ ایک لڑکی بولی۔

"جڑواں بچوں کی دو ناکیں ہوتی ہیں"۔ جوزف نے کہا۔

"ناک ہمیشہ آگے ہوتی ہے، سر کے پیچھے کبھی نہیں ہوتی"۔ جوزف کا ایک ساتھی بولا۔

"کچھ اور۔۔۔؟" استانی برابر ہی کہے جا رہی تھی۔ "اچھا تم بتاؤ ہنری"۔

"جی میں ناکوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا"۔

"حضرت موسیٰ کے متعلق تو جانتے ہو؟" جوزف نے ہنری سے پوچھا۔

"ہاں انجیل میں اُن کا ذکر ہے"۔

"اُن کی ناک تھی یا نہیں؟"

"تھی"۔

"تو کہہ دو کہ حضرت موسیٰ صاحب ناک تھے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم تاریخ قدیم سیکھ رہے ہیں۔ تم لوگ علم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے"۔

"کچھ اور۔۔۔؟" استانی نے پھر پوچھا۔

"خیالات اڑتے ہیں، قدم چلتے ہیں اور ناک بہتی ہے"۔ جوزف بولا۔

"مس بکس، دوڑ میں جانے کی اجازت دے دیجئے"۔ ہومر نے عاجزی سے کہا۔

"مجھے کسی دَوڑ دوڑ کی خبر نہیں۔۔۔ اچھا کوئی اور۔۔۔؟"

"جی میں نے اتنا کچھ تو کہا ہے ناکوں کے متعلق"۔ ہومر بولا۔

"وہ سب مہمل تھا"۔

"اتنے میں گھنٹی بجی، بچے منتشر ہو گئے۔ صرف ہومر اور ہیوبرٹ رہ گئے۔

# دوڑ

پرنسپل کے دفتر میں بائی فیلڈ حجت کر رہا ہے۔ آخر پرنسپل نے تنگ آ کر کہا۔
—"مس ہکس سکول کی سب سے قابل اور پرانی استانی ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی پڑھایا ہے اور تمہیں بھی۔ اگر وہ دو شرارتی لڑکوں کو سزا دینا چاہیں تو میں دخل نہیں دوں گا۔"

"لیکن ہیوبرٹ اکیلے شرارتی لڑکا نہیں ہے۔ ہومر شرارتی ہے لیکن ہیوبرٹ بے حد شریف ہے۔"

"مجھے پتہ ہے کہ وہ شریف گھرانے کا ہے۔ اس کا والد بھی بچپن میں نہایت بھلا لڑکا تھا۔ لیکن مس ہکس ان کی استانی ہیں۔ وہ کبھی بلاوجہ سزا نہیں دیتیں۔ ہیوبرٹ پھر کبھی دوڑے گا۔"

بائی فیلڈ لاجواب ہو کر دفتر سے نکل آیا۔ لیکن کھیل کے میدان کی بجائے اس نے مس ہکس کے کمرے کا رُخ کیا۔ کمرے میں پہنچ کر دیکھا کہ استانی اور دونوں لڑکے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔

اس نے استانی کو سلام کیا اور مسکرا کر بولا۔ "مس ہکس میں نے پرنسپل سے بات کر لی ہے۔"

ہومر چھلانگ مار کر اٹھا جیسے بائی فیلڈ اسے ہی تو لینے آیا ہے۔

"تم نہیں ۔" اس نے حقارت سے کہا ۔ "تم مسٹر ایکلے ۔"

"اس کا مطلب ؟" استانی نے پوچھا ۔

"یہی کہ ہیوبرٹ ایکلے دوڑ میں حصہ لے گا ۔ وہاں اس کا انتظار ہو رہا ہے ۔"

"اور میں ـــ میں مسٹر ہومر میکالے ؟" ہومر نے باقی فیلڈ کی طرف دیکھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہیوبرٹ کو لے کر چلا گیا ۔

"دیکھ لیا آپ نے مس ٹکس ـــ یہ رعایت نہیں تو کیا ہے ؟"

بیچاری استانی آزردہ ہو گئی ۔

"باقی فیلڈ کی تماشی کے لوگ فقط اپنے جیسے گدھوں کو کھیل کود سکھانا جانتے ہیں ۔"

اُسے یکلخت خیال آیا کہ یہ فقرہ نہیں کہنا چاہئے تھا ۔ "میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ شخص نہ صرف اکھڑ ہے بلکہ جھوٹا بھی ہے ۔"

اُستانی کو ناراض ہوتے دیکھ کر ہومر نے سوچا کہ اس کی خفگی بلاوجہ نہیں ہے اور وہ بہت اچھی اتالیق ہے ۔

"مجھے یہ آدمی کبھی اچھا معلوم نہیں ہوا ۔ میں بہت خوش ہوں کہ آپ بھی اسے پسند نہیں کرتیں ۔"

"مجھے سکول میں پڑھاتے ہوئے پینتیس سال گذر گئے ۔ قصبے کے بیشتر باشندوں کو میں نے پڑھایا ہے ۔ تمہارا بھائی مارکس اور بہن بیس بھی میرے شاگرد رہ چکے ہیں

تمہارے چھوٹے بہن بھائی بھی کبھی میرے طالب علم ہوں گے۔"

"جی میرا تو صرف ایک چھوٹا بھائی ہے ـــ اُلی کستس۔ مارکس پڑھائی میں کیسا تھا؟"

"مارکس اور ربیس دونوں اچھے تھے۔ نیک اور شائستہ۔ اچھے کنبوں کے بچے شروع سے اچھے ہوتے ہیں۔ تمہاری طرح مارکس بھی کبھی وقت بے وقت بول پڑتا تھا۔ لیکن اس نے جھوٹ کبھی نہیں بولا۔ یہ گرے ہوئے بائی فیلڈ کے طبقے کے لوگ میرے بڑھاپے کی وجہ سے مجھے حقارت سے دیکھتے ہیں۔ یہ شخص جو ابھی سفید جھوٹ بول کر گیا ہے، زمانۂ طالب علمی میں بھی جھوٹا تھا۔ سوائے اس کے کہ اپنے سے بڑوں کی چاپلوسی کرے اس نے اور کچھ نہیں سیکھا۔"

"جی ہاں۔"

"میں نے ایسے آدمیوں کے ہاتھوں اچھے اچھوں کو بے عزت ہوتے دیکھا ہے۔ ایسوں کی ساری عمر افترا پردازی اور دھوکہ دینے میں گذرتی ہے ـــ"

اُستانی نے رومال سے آنکھیں پونچھیں۔

"مس بکس۔ دل بُرا نہ کیجئے۔ میں نہیں بیٹھا رہوں گا۔ مجھے گستاخی کی سزا دیجئے۔ آئندہ کبھی آپ کو ناخوش نہیں کروں گا۔ آج معلوم ہوا ہے کہ اتالیق بھی ہم سب جیسے انسان ہوتے ہیں۔ بلکہ عام انسانوں سے کہیں بہتر۔ مس بکس آپ جو سزا دیں گی میں بخوشی برداشت کروں گا۔"

"میں تمہیں سزا دینا نہیں چاہتی تھی۔ تمہیں اس لئے روک لیا تھا کہ تم مجھے عزیز ہو۔ ہیوبرٹ کا یہ ہے کہ وہ خود نہیں گیا۔ بائی فیلڈ اُسے لے گیا ہے۔ ویسے میں تم دونوں کو ذرا دیر کے بعد چھٹی دے دیتی۔ میرا ارادہ تمہیں تنگ کرنے کا نہ تھا۔ تمہیں مفید باتیں بتانا چاہتی تھی۔ میں بچوں کی ذہنی نشوونما کا مطالعہ کرتی رہتی ہوں، انہیں پنپتے دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے۔ جہاں تم نے ہیوبرٹ سے معافی مانگ کر اُسے زیر بار کیا۔ وہاں اُس نے فراخدلی سے معاف کر دیا۔ میں تم دونوں سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ تم میں سے ایک شریف کھاتے پیتے گھرانے کا لڑکا ہے، دوسرا شریف غریب گھرانے کا۔ زندگی کی جدوجہد اس کے لئے زیادہ کٹھن ثابت ہوگی۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ایک دوسرے کو جاننے لگو۔"

"وہ مجھے ناپسند تو نہیں۔ اس کا احساسِ برتری کچھ بُرا لگتا ہے۔"

"جو تم سوچ رہے ہو میں اُسے سمجھتی ہوں۔ دُنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی اور اس سے بھی بہتر ہوتا ہے۔ جوزف ہیوبرٹ سے زیادہ چست ہے۔ لیکن ہیوبرٹ میں دوسری خوبیاں ہیں۔ جمہوری نظام میں سب انسان برابر ہوتے ہیں لیکن اس مساوات کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے اپنا اپنا ظرف ہے، اور اپنی کوشش۔ کوئی چاہے تو شریف النفس بن جائے یا احمق بن کر دن پورے کر دے۔ جن بچوں کو میں پڑھاتی ہوں، اُن کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ اچھے یا بُرے آداب مجھے متاثر نہیں کرتے۔ میں تو اُن کا باطن پرکھتی ہوں۔ کوئی بچہ امیر ہو

یا غریب، کیتھلک ہو یا پروٹسٹنٹ، گورا ہو یا کالا، ہوشیار ہو یا غبی، چالاک ہو یا سادہ لوح ـــ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دل میں شرافت اور صداقت ہے یا نہیں ـــ چھوٹوں کی عزّت، بڑوں کا احترام ـــ اگر یہ موجود ہیں تو پھر میں نہیں چاہتی کہ وہ ایک دوسرے کی نقل کریں اور سب ایک جیسے بن جائیں۔ میں انفرادیت کی قائل ہوں۔ یہ نہیں چاہتی کہ محض مجھے خوش کرنے کے لئے ایک بچّہ دوسرے جیسا بن جائے۔ اگر ساری کلاس مودب بیٹھی رہے تو پڑھانا دوبھر ہو جائے۔ تنوّع نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ ہیوبرٹ بھی یہ سُن لیتا کہ تمہاری باہمی نفرت بالکل معمولی سی چیز ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر تم ایک دوسرے کی عزت کرتے ہو تو تم دونوں بہت اچھے ہو۔ مہذّب ہونا اسی کو کہتے ہیں اور اسی لئے ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں ـــ"

ہومر کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں، ان میں آنسو چھلک رہے تھے۔

"بہت اچھا ہوا کہ میں نے تم سے یہ باتیں کر لیں۔ تم سکول سے چلے جاؤ گے، کچھ عرصے کے بعد مجھے بھول جاؤ گے۔ لیکن میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ جہاں جاؤ گے میری نگاہیں تم پر ہوں گی۔ تمہارے بارے میں اچھی اچھی خبریں سُن کر خوشی سے پھُولی نہ سماؤں گی ـــ"

اُستانی نے آنسو پونچھے ـــ "اب جاؤ دوڑ میں حصّہ لو۔ ہیوبرٹ کا مقابلہ کرو۔ ورزش کے کپڑے پہننے کے لئے وقت نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی لباس میں

دوڑو۔ لوگ تم پر ہنسیں تو ہنسنے دو۔ زندگی میں کئی مرتبہ تضحیک آمیز قہقہے تمہیں سنائی دیں گے۔ یہ قہقہے صرف تماشائیوں ہی کے نہیں ہوں گے۔ بلکہ تمہارے مقاصد، تمہاری کوششیں یہاں تک کہ تمہاری منزل بھی تم پہ ہنسے گی ــــ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم کبھی اس کی پروا نہیں کرو گے۔"

ہومر میدان میں پہنچا تو دوڑ شروع ہونے والی تھی۔ چار لڑکے جو اکثر مشق کیا کرتے لائن پہ جھکے ہوئے اشارے کے منتظر تھے۔ وہ بھی ساتھ جا کھڑا ہوا۔ دوڑ شروع کرانے والے نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔

ہومر کے جسم میں ایک دم چستی آ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہ میں نے مشق کی ہے، نہ میرا لباس اور جوتے موزوں ہیں۔ پھر بھی یہ دوڑ جیتنی چاہیئے۔"

ہیوبرٹ جو چوتھے نمبر پہ تھا بولا "اس حلیئے میں کیسے دوڑو گے؟"

"ابھی دیکھ لینا۔" ہومر نے جواب دیا۔

بائی فیلڈ تماشائیوں میں تھا۔ کسی سے پوچھنے لگا "یہ پانچواں لڑکا کون ہے، اور اس نے پہن کیا رکھا ہے؟"

اسے پہچانتے ہی وہ تیزی سے اٹھا کہ ہومر کو باہر نکال دے لیکن فوراً پستول کا دھماکا ہوا اور دوڑ شروع ہو گئی۔

ہومر اور ہیوبرٹ نے پہلا چکر کاٹا تو اکٹھے عبور کیا۔ پھر ہومر آہستہ آہستہ آگے نکلنے لگا۔ دوسرا چکر کاٹا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا ــــ ہومر سب سے آگے تھا اور ہیوبرٹ

اس کے پیچھے۔ دونوں باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔

"اس طرح دوڑنا کب سیکھا؟" ہیوبرٹ نے پوچھا۔

"اب سیکھ رہا ہوں۔"

"بہت تیزی دکھا رہے ہو۔"

"دوڑ جو جیتنی ہے۔"

"کون کہتا ہے جیتو گے؟"

"میں کہتا ہوں۔"

"رفتار بدل لو۔ لمبی دوڑ ہے تھک جاؤ گے — وہ سامنے دیکھنا۔ بائی فیلڈ بھاگا آ رہا ہے۔"

وہ بالکل ہومر کی مخالف سمت سے آ رہا تھا۔ دونوں کی ٹکر ہوئی اور دھڑام سے گرے۔ ہیوبرٹ فوراً رک گیا اور دوسرے لڑکوں سے بولا "سب رک جاؤ، ہومر گر پڑا ہے۔ جب تک وہ نہ اٹھے ہم نہیں دوڑیں گے۔"

ہومر اٹھا تو پانچوں پھر بھاگنے لگے۔

مس مکس وہاں کھڑی تھی جہاں دوڑ ختم ہونی تھی۔ وہ سب لڑکوں کو شاباش دے رہی تھی۔

"بہت اچھے ہومر۔ شاباش ہیوبرٹ — سام — جارج — ہنری — شاباش۔"

ہیوبرٹ اب ہومر کے برابر پہنچ کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"گستاخی معاف — میں آگے نکل جاؤں ؟" ہیوبرٹ نے پوچھا
"ہمت ہے تو نکل جاؤ۔"
ہومر تابڑ توڑ بھاگا۔ دونوں نے ساتھ ساتھ دوڑ ختم کی، یہ بتانا مشکل تھا
کہ اوّل کون آیا۔
اُستانی نے لڑکوں کی تعریف کی — "تم سب نہایت اچھی طرح دوڑے۔"
"مجھے معاف کر دیجئے مس ہکس — مجھے کمرے میں ٹھہرنا چاہیئے تھا۔"
"معافی مانگنے کی کوئی بات نہیں بچے — بہت اچھا کیا جو ہومر کے کہنے پر
تم رُک گئے — شاباش !"
بائی فیلڈ غصّے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ اُسے چوٹ بھی لگی تھی۔ بھاگا بھاگا آیا
اور دانت پیس کر بولا — "ہومر سزا کے طور پر مہینہ سال بھر تک تمام کھیلوں سے
خارج کیا جاتا ہے۔"
"مسٹر بائی فیلڈ — ہومر کو کس جُرم کی سزا مل رہی ہے ؟" استانی نے پوچھا۔
"مس ہکس، یہ فیصلہ میں نے خود کیا ہے۔ اس کے لئے میں شعبۂ تاریخ قدیم سے
سے مشورہ نہیں لینا چاہتا — ہومر سمجھ گئے تم ؟"
"جی ہاں"
"تو جاؤ میرے دفتر میں انتظار کرو۔"

"لیکن مجھے چار بجے کام پر جانا ہے۔ اب کیا بجا ہے؟"

"پونے چار۔" ہیوبرٹ نے گھڑی دیکھ کر بتایا۔

"جلدی سے دفتر پہنچو۔"

"لیکن کام پہ پہنچنا بہت ضروری ہے۔" ہومر بولا۔

"آخر کیوں انتظار کرتے ہومر؟ اس کا قصور؟" جوزف بھی اس گفتگو میں شامل ہوگیا۔

بائی فیلڈ جو پہلے سے جھلایا ہوا تھا، چلایا۔ "اپنی ذلیل زبان کو لگام دو۔"

اس نے جوزف کو دھکا دے کر گرا دیا۔

"میرے دوست کو گالیاں دیتے ہو؟" ہومر، بائی فیلڈ سے گتھم گتھا ہوگیا۔ جوزف پھرتی سے اٹھا اور بائی فیلڈ پر سوار ہوگیا۔ دونوں لڑکوں نے ڈرل ماسٹر کی خوب تواضع کی۔

پرنسپل بھاگا بھاگا آیا۔ "حضرات!۔۔۔ میرا مطلب ہے لڑکو!۔۔۔ یہ کیا حرکت ہے؟"

اس نے بمشکل جوزف کو کھینچ کر علیحدہ کیا۔

بائی فیلڈ کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ بالکل خاموش تھا۔ استانی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ "مسٹر بائی فیلڈ! تمہیں بارہا سمجھایا ہے کہ کسی پہ ہاتھ

اٹھایا کرو۔"

پھر پرنسپل سے مخاطب ہو کر بولی۔ "بائی فیلڈ کو جوزف سے معافی مانگنی چاہئے۔"

"کیوں بائی فیلڈ؟" پرنسپل نے پوچھا۔

"جوزف کا خاندان اٹلی سے آیا تھا۔ وہ شریف لوگ ہیں، انہیں ذلیل کہنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔" استانی نے کہا۔

"جی معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔ جوزف بولا۔ "انہوں نے دوبارہ گالی دی تو میں ان سے پھر لڑ پڑوں گا۔ اگر انہوں نے مجھے پیٹا تو میں اپنے بھائیوں کو لے آؤں گا۔"

"جوزف انہیں معافی مانگنے دو۔ یہ تم سے یا تمہارے کنبے سے معافی نہیں مانگ رہے ہیں بلکہ خود اپنے ملک سے شرمندہ ہیں۔ انہیں موقعہ دو کہ امریکہ کے باشندے بن کر دکھائیں۔" استانی بولیں۔

"درست ہے۔ ہم سب ہم وطن ہیں۔ یہاں صرف وہ لوگ اجنبی ہیں جو بھول جاتے ہیں کہ وہ امریکن ہیں۔" پرنسپل نے کہا۔

ڈرل ماسٹر کو سب گھور رہے تھے۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔" بائی فیلڈ نے جلدی سے کہا اور وہاں سے چل دیا۔ جوزف، اور لنگڑاتا ہوا ہومر بھی ایک طرف کو نکل گئے۔ استانی اور پرنسپل

کوئی تیس چالیس طلباء گھیرے کھڑے تھے، ان میں کئی قوموں کے بچے شامل تھے۔

"اب گھر جاؤ، والدین تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بالکل معمولی سی بات تھی۔" اُستانی نے مجمع سے کہا۔

"ہاں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہنستے کھیلتے گھروں کو سدھارو۔ جنگ بہت جلد ختم ہو جائے گی۔" پرنسپل بولا۔

آہستہ آہستہ مجمع منتشر ہو گیا۔

# پھندا

ہومر سکول سے تار گھر کی طرف جا رہا تھا تو بڑی سڑک کی ایک دکان میں ایک موٹا آدمی داخل ہوا جس کی داڑھی بالکل سُرخ تھی۔ اس کا نام کرتس تھا اور وہ پہاڑیوں سے شکار کا سامان خریدنے آیا تھا۔

دکان کے مالک نے اسے ایک نئی وضع کا پھندا دکھایا جسے کسی نے ابھی ابھی ایجاد کیا تھا۔ یہ پھندا کافی بڑا اور پیچیدہ سا تھا۔ فولاد، لکڑی، رسے، کمانیاں نہ جانے کیا کچھ اس میں لگا ہوا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جانور پھنستے ہی ہوا میں معلق ہو جاتا اور اچھل کود نہ سکتا۔

دکاندار نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے — "جناب بالکل نئی چیز ہے۔ موجد نے صرف دو پھندے بنائے ہیں۔ ایک تو پیٹنٹ کرانے کے لئے بھیجا ہے، دوسرا یہ ہے۔ چوپایہ کیسا ہی ہو، یہ منٹوں میں پھانس لے گا۔ قیمت صرف بیس ڈالر۔ اسے بارہا آزمایا جا چکا ہے۔ دیکھئے مضبوط کتنا ہے۔ ایک بڑے سارے ریچھ کو بخوبی تھام سکتا ہے۔"

موٹا کرتس بڑے شوق سے سُن رہا تھا۔ پیچھے اُلی سس کھڑا آرٹ لئے جھانک رہا تھا۔ دکاندار نے سمجھا کہ بچہ گاہک کا ہے۔ کرتس اُسے دکاندار کا لڑکا سمجھ رہا تھا۔ اس لئے اُلی سس سے کسی نے کچھ نہ کہا۔ اُدھر اُلی سس کا یہ خیال تھا کہ جہاں

کوئی تماشہ ہو وہاں چھوٹے بچوں کو فوراً پہنچ جانا چاہیئے۔

"اور لطف یہ ہے کہ جانور زخمی نہیں ہوتا۔ کھال اور سمور بالکل محفوظ رہتے ہیں گیارہ برس کی گارنٹی ہے۔ لکڑی کی عمدگی، کمانیوں کی لچک، رسّوں کی مضبوطی — سب کی گارنٹی ہے۔ موجد نہ شکاری ہے، نہ جانوروں کو ایذا پہنچانے کا قائل ہے۔ اُس رحمدل خداترس بزرگ نے یہ کارآمد پھندا اس لئے بنایا ہے کہ جانوروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ ستر برس کی عمر میں موجد نے سینتیس مفید چیزیں ایجاد کیں۔"

دکاندار نے کل پُرزے کسے۔ "اب پھندا تیار ہے۔"

اُلی سس سرکتا سرکتا قریب پہنچ چکا تھا۔ آگے جو بڑھا تو بالکل مشین سے جا لگا۔ پھندے نے جلدی سے اُلی سس کو اُٹھا کر گھمایا اور دیکھتے دیکھتے بچہ ہوا میں لٹکنے لگا۔

اس کے چہرے پر نہ ڈر تھا نہ تشویش، بڑے مزے سے لیٹا ہوا تھا۔

موٹا کرس گھبرا گیا۔ "دیکھنا، تمہارے بیٹے کو چوٹ نہ آجائے۔"

"میرا بیٹا؟ آج پہلی دفعہ اسے دیکھا ہے۔ میں تو اسے تمہارا لڑکا سمجھتا رہا ہوں۔"

"اچھا — خیر کسی کا بھی ہو۔ جلدی سے اسے باہر نکالو۔"

"ابھی نکالتا ہوں۔"

"بچے تمہارا نام کیا ہے؟" کرس نے پوچھا۔

ایم۔اے۔انصاری بک بائنڈنگ ہاؤس
لائبریری ۔ اسٹیشنری

"اُبی سِس"

"اور میں موٹا کرتِس ہوں۔تم ذرا دیر چپ چاپ لیٹے رہو۔ابھی تمہیں باہر نکال لیں گے۔"

دکاندار بوکھلا گیا۔اُسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

"شاید پرچۂ ترکیب استعمال میں کھولنے کا طریقہ درج نہیں تھا۔لیکن اسے کھولا تو تھا ایک دن۔بات یہ ہے کہ جب موجد یہاں آیا تو اس وقت کوئی جانور ہی نہیں ملا کہ اس پر مشق کر لیتے ۔ یہ تو کھلتا ہی نہیں۔"

وہ دونوں جٹے ہوئے تھے۔موٹے کرتِس نے بچے کو تھام رکھا تھا کہ پھندہ اچانک کھل گیا تو بچہ مُنہ کے بل نہ گر پڑے۔دکاندار باری باری ایک ایک پُرزے کو مروڑتا کہ کچھ تو ہلے۔

"ذرا جلدی کرو — کب تک بچے کو لٹکائے رکھو گے — بیٹے تمہیں چوٹ تو نہیں لگی۔"

"جی نہیں ۔"

"تم اس میں پھنس کیسے گئے؟"

"جی میں تو یونہی دیکھ رہا تھا ۔"

"یہ کمبخت دیکھنے میں بڑا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔بیٹے تمہاری عمر کیا ہے؟"

"چار برس کا ہوں۔"

"والد کا کیا نام ہے؟"

"میتھیو۔"

"وہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ ایسا اچھا بیٹا ملا، کاش کہ میرا بھی ایسا لڑکا ہوتا۔ عجیب بات ہے، مجھے کبھی مناسب لڑکی ہی نہیں ملی۔ تیس سال ہوئے اوکلاہوما میں ایک ملی تھی لیکن وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ کیوں بھئی کتنی دیر لگے گی۔۔۔؟"

"پتہ نہیں۔۔۔ مُوجد نے جانور کو باہر نکالنے کا ذکر تو کیا تھا۔ دراصل یہ پھندہ جانوروں کے لیے ہے۔ نہ جانے چھوٹے بچّوں کو کیونکر نکالا جاتا ہے۔"

اتنے میں ایک عورت ساتھ بچی لیے آ کھڑی ہوئی۔ دو لڑکے بھی تماشہ دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا؟" ایک نے پوچھا۔

"ایک بچّہ پھندے میں آ پھنسا ہے۔" دکاندار نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

"ڈاکٹر کی ضرورت نہیں، چوٹ نہیں لگی۔" دکاندار بولا

"تو پھر پولیس کو بلاتے ہیں۔" عورت بولی

"نہیں پولیس کی بھی ضرورت نہیں۔ ابھی پھندہ کھل جائے گا۔"

"کتنی شرم کی بات ہے کہ ننھے منّے بچوں کو ایسی بیہودہ مشینوں سے ایذا پہنچائی جاتی ہے۔"

"محترمہ! بچے کو ایذا نہیں پہنچی۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"اگر یہ بچہ میرا ہوتا تو منٹوں میں پولیس کو اطلاع دے دیتی۔"

عورت بچی کو گھسیٹتی ہوئی باہر نکل گئی، بچی زور زور سے چلا رہی تھی۔ "میں تماشہ دیکھوں گی۔ امی میں تو تماشہ دیکھوں گی۔"

اب دکاندار بالکل تھک چکا تھا۔

"مجھ سے یہ نہیں کھلتا۔ موجد کو ٹیلیفون کرتا ہوں۔"

"اور میں یہیں لیٹا رہوں؟" اُلی سس نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ ابھی تمہیں نکالتے ہیں۔" موٹا کرس بولا۔

ایک لڑکا بغل میں اخباروں کا بنڈل دبائے آیا۔ وہ کبھی پھندے کو دیکھتا، کبھی ہجوم کو۔ اس نے بچے کو پہچان لیا۔

"اُلی سس! یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"آگی! میں پھنس گیا ہوں۔"

"کیسے۔؟"

"بس یونہی۔"

اخبار والے نے کرس کا ہاتھ بٹانا چاہا لیکن کچھ نہ بنا۔ وہ کچھ دیر تو خاموش کھڑا رہا۔ پھر گلی کی طرف بھاگا اور سیدھا تار گھر پہنچا۔ وہاں ہومر نہ ملا تو دوسری گلی میں نکل گیا۔ لوگوں سے ٹکراتا ہوا سرپٹ جا رہا تھا۔ ایک چوک میں ہومر کو ڈھونڈھنے لگا۔ اور اچانک اُسے ہومر نظر آ گیا۔ اس نے چیخ ماری اور پیچھے بھاگا۔

"ہومر! میرے ساتھ آؤ۔"

ہومر نے سائیکل سے اتر کر پوچھا۔ "آگی! کیا بات ہے؟"

"کچھ ہو گیا ہے۔ میرے ساتھ چلو۔"

"لیکن ہوا کیا؟"

"وہ جو دکان ہے نا۔ وہاں چلو۔"

"اچھا تو کوئی نئی چیز دکھاؤ گے۔ مچھلیاں پکڑنے کا سامان کا سامان یا کوئی بندوق، مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔ کام کرنا ہے۔"

ہومر سائیکل پر بیٹھ کر چل دیا۔ آگی نے بھاگ کر سائیکل پکڑ لی۔

"میرے ساتھ آؤ۔ ابھی اسی وقت۔ وہ پھندے میں ہے۔"

"پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ اچھا چلو۔"

دونوں دکان پر پہنچے۔ وہاں بہت سے تماشائی کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر ہومر ڈر سا گیا۔ مشکلوں سے راستہ بنا کر اندر پہنچے۔

"اُلی سس!" ہومر چلایا۔

"بھائی جان!"

"میرے بھائی کو کیا ہو گیا ہے؟"

"وہ ذرا پھنس گیا ہے۔" دکاندار نے بتایا۔

"اور یہ ہجوم یہاں کیا کر رہا ہے۔ جائیے آپ اپنے گھروں کو تشریف لے جائیے۔"

ایک بچہ پھندے میں آجائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلقت تماشہ دیکھنے آ کھڑی ہو۔"
دکاندار آگے بڑھا ۔" آپ میں سے جو جو گاہک نہیں ہیں، ازراہِ کرم تشریف
لے جائیں۔ مسٹر ولیمس آپ بیشک ٹھہر جائیے۔ مسٹر سیکرٹ، جارج، سپنڈل،
شارٹی ـــ آپ بھی۔"

" اور میں ؟ میں بھی تو آپ کا گاہک ہوں۔ پچھلے ہفتے ہی میں نے چیزیں خریدی
تھیں ــ" ایک طرف سے آواز آئی ـــ

" ہاں مجھے یاد آگیا ــ باقی کے سب چلے جائیں ــ"

ہجوم میں سے صرف دو تین نے ذرا جنبش کی۔

" آلی ستس ــ گھبراؤ مت، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ آگی
نے مجھے ڈھونڈ لیا۔ آگی تار گھر جا کر مسٹر سپنگلر سے کہنا کہ میرا بھائی پھندے
میں آگیا ہے، اسے نکال کر فوراً پہنچ جاؤں گا ـ"

آگی بھاگا، راستے میں پولیس کے سپاہی سے ٹکر ہوئی۔

" یہاں کیا ہو رہا ہے ؟"

" ایک بچہ پھندے میں آگیا تھا، نکلتا ہی نہیں ـــ"

" ذرا میں بھی دیکھوں ـ"

سپاہی نے پھندے کا معائنہ کیا اور ہجوم سے مخاطب ہوا ـــ

" اپنا اپنا راستہ لیجئے۔ ایسی باتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں ـــ جائیے اپنا

کام کیجئے۔"

بڑی مشکل سے سپاہی نے لوگوں کو باہر نکال کر دروازہ بند کیا۔

"جناب آپ نے میری دکان ساڑھے چار بجے ہی بند کرا دی۔" دکاندار نے احتجاج کیا۔ سپاہی نے اس کی بات اَن سُنی کر دی اور پوچھا۔

"یہ کس قسم کا پھندہ ہے؟"

"بالکل نئی چیز ہے۔ ابھی ابھی ایجاد ہوا ہے۔ قیمت صرف بیس ڈالر۔ عنقریب پیٹنٹ ہو جائے گا۔"

"جلدی سے میرے بھائی کو اس میں سے نکالئے۔ یا مُوجد کو بُلائیے۔" ہومر نے کہا۔

"میں نے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ٹیلیفون خراب ہے۔"

"یہ بھی ایک ہی رہی۔" ہومر طیش میں آ کر بولا۔ "موجد کو فوراً پکڑ کر لائیے۔"

"ہاں، جو کچھ کرنا ہے جلدی کیجئے۔" سپاہی نے لقمہ دیا۔

"جناب میں ایک شریفانہ کاروبار کرتا ہوں۔ نیک شہری ہوں اور ٹیکس ادا کرتا ہوں جس سے آپ کو تنخواہ ملتی ہے۔ کہہ تو رہا ہوں کہ کوشش بہت کی مگر ٹیلیفون خراب ہے۔ اب میں دن دہاڑے دکان کھلی چھوڑ کر کسی کے پیچھے جانے سے رہا۔"

ہومر غرّایا اور اپنی انگلی دکاندار کی ناک سے تقریباً چھوا کر بولا۔ "اسی وقت مُوجد کو بُلا کر اس شیطانی چرخے کو کھلواؤ۔"

"یہ شیطانی چرخہ ہرگز نہیں ہے۔ جانور پکڑنے کا اس سے بہتر پھندہ آج تک نہیں بنا۔ نہ جانور کو چوٹ لگتی ہے نہ کھال اور سمور خراب ہوتے ہیں۔ مشین جانور کو حفاظت سے ہوا میں لٹکا دیتی ہے تاکہ شکاری کو باندھنے میں آسانی رہے۔"

سپاہی بڑے غور سے مشین کو دیکھ رہا تھا۔

"اسے ہم آری سے نہ کاٹ ڈالیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

"جناب یہ فولاد ہے، آسانی سے نہیں کٹے گا۔" دکاندار نے بڑے فخر سے کہا۔

"اُلی سس کسی چیز کو جی چاہتا ہو تو لے آؤں۔" ہومر نے چھوٹے بھائی سے پوچھا۔

موٹا کرس کبھی اُلی سس کے پُرسکون چہرے کو دیکھتا، کبھی ہومر کے لال لال مُنہ کو۔ دونوں بھائیوں کی محبت سے بڑا متاثر ہوا۔

"اُلی سس، تمہیں کچھ چاہیئے؟"

"ابا جان۔"

"ابا کے سوا کچھ اور۔"

"مارکس۔"

"مارکس تو فوج میں ہے۔ ملائی کی برف یا مٹھائی لاؤں؟"

"نہیں مجھے صرف مارکس چاہیئے۔"

موٹا کرس اسٹیشنیں چڑھا کر آگے بڑھا۔ "برخوردار، اپنے بھائی کو تھامے رکھنا میں کچھ کرنے لگا ہوں۔"

دکاندار چلایا۔ "تم اسے توڑ رہے ہو۔ دنیا بھر میں یہ اپنی قسم کا واحد پھندہ ہے۔ ایسی نایاب چیز کو تباہ کرو گے۔ اس کا موجد ضعیفی کی وجہ سے شاید پھر ایسا پھندہ نہ بنا سکے۔ تھوڑا سا انتظار کرو۔ ایک دو گھنٹے میں موجد ضرور یہاں آجائے گا۔"

"ایک دو گھنٹے میں؟" ہومر چنگھاڑا۔ "میں ساری دکان توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا۔ مسٹر کرس آپ اسے بیشک توڑ ڈالیے۔"

کرس پھندے سے کشتی لڑ رہا تھا۔ اس کے بازوؤں اور کندھوں کے پٹھے ابھر آئے تھے۔ سانس پھولا ہوا تھا۔

آہستہ آہستہ مشین نے قوت کے آگے جواب دے دیا۔

اُلی سس اب آزاد تھا۔ ہومر نے اُسے بازوؤں میں لے کر فرش پر کھڑا کر دیا۔

دکاندار نے چڑ کر موٹے کرس کی طرف دیکھا۔ "پھندہ تو بالکل بیکار ہو چکا ہے۔ اس کی قیمت کون دے گا؟"

کرس نے جیب سے نقدی نکالی اور بیس ڈالر گن کر میز پر پھینک دئے۔ اُلی سس کو بڑی محبت سے تھپتھپایا، بالکل جیسے باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے اور دکان سے باہر چلا گیا۔

"ننھے تم ایسی مصیبتوں میں کیسے گرفتار ہو جاتے ہو۔" ہومر نے بھائی سے کہا

اور مشین کو زور سے ٹھکرایا۔

"ذرا احتیاط سے ___" سپاہی بولا" یہ نئی ایجاد ہے۔ کوئی نئی مصیبت نہ آ کھڑی ہو۔"

دکاندار باہر نکل کر ہجوم سے مخاطب ہوا۔" خواتین و حضرات! ہماری دکان ہفتے کو چھوڑ کر ہر روز آٹھ بجے صبح سے سات بجے شام تک کھلی رہتی ہے۔ سنیچر کو دس بجے تک کاروبار چلتا ہے۔ اتوار کو چھٹی۔ ہمارے ہاں شکار کا سب سامان موجود ہے۔ مچھلیاں پکڑنے کی ڈور، بندوقیں، کارتوس، وغیرہ وغیرہ ___ آئیے تشریف لائیے۔ ___ دکان کھلی ہے ___"

لوگ فوراً ادھر اُدھر ہو گئے۔

ہومر نے سپاہی سے پوچھا" یہ موٹا آدمی کون تھا؟"

"پتہ نہیں کون تھا ___"

"یہ موٹا کرتس تھا۔" اُلی سسس نے بتایا۔

"اچھا ___ اس کا یہ نام ہے؟"

"ہاں۔"

آگی نے آکر سوال پوچھنے شروع کر دیئے ___

"اُلی سسس کیسے باہر نکلا؟"

"موٹے کرتس نے نکالا" اُلی سسس نے جواب دیا۔

"پھندے کو کیا ہوا؟ اسے کس نے توڑا؟ سُرخ داڑھی والا وہ مضبوط سا آدمی کہاں گیا؟"

"یہ بتاؤ تم نے سپنگلر کو پیغام پہنچا دیا تھا؟"

"ہاں۔ مگر یہ پھندہ کیسا نکلا؟ جانور پکڑ لیتا ہے یا نہیں۔؟"

"بالکل بیہودہ چیز ہے۔ جانور پھانسنے کا کیا فائدہ اگر وہ ساری عمر پھندے ہی سے لٹکا رہے۔ اور جناب دوکاندار صاحب ایسے کباڑ کے لئے بیس ڈالر آپ نے مانگ لئے۔"

"اس کی قیمت یہی ہے۔"

"قیمت یہی ہے۔ چلو آگی یہاں سے چلیں۔"

تینوں تار گھر پہنچے۔ گروگن تار کی مشین پر بیٹھا تھا۔ سپنگلر کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔

"مسٹر سپنگلر، یہ میرا چھوٹا بھائی اُلی سس ہے۔ یہ پھندے میں آگیا تھا۔ موٹے کوس نے مشین توڑ کر باہر نکالا، بیچارے نے بیس ڈالر بھی دیئے۔ یہ میرا دوست آگی ہے، اس کے ہاتھ میں نے پیغام بھجوایا تھا۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ چند تار تقسیم کرنے ہیں۔" سپنگلر نے کہا۔

اُلی سس اور آگی تار کی مشین کو بڑے انہماک سے دیکھ رہے تھے۔

"چار پانچ جگہ سے بلاوا آیا تھا — قریب کی جگہوں پر تو میں ہو آیا۔ دو ایک جگہ باقی ہیں۔ پہلے وہاں چلے جاؤ۔ پھر تار بانٹ لینا۔"

"جی بہت اچھا۔ دیر میں آنے کی معافی چاہتا ہوں۔ ابھی منٹوں میں سب کام کر دوں گا۔ بچے کو یہیں چھوڑ جاؤں؟"

"تم جاؤ۔ بچہ میرے پاس رہے گا۔"

"شکریہ! اُلی شسّس شرارت نہیں کرے گا۔ بس چپ چاپ بیٹھا رہے گا۔"

ہومر لنگڑاتا ہوا باہر چلا گیا۔

# ڈائینا

اُلی سس اور آگی ٹکٹکی باندھے تار کی مشین کو دیکھ رہے تھے۔
"یہ کیا ہو رہا ہے ؟" آگی نے پوچھا۔
"مسٹر گروگن تار بھیج رہے ہیں۔" سلینگلر نے جواب دیا۔
"کہاں ؟"
"نیویارک۔"
"اتنی دُور تار کیسے چلا جائے گا ؟"
"وہاں تک تار کے کھمبے لگے ہوئے ہیں۔"
"کھمبے اتنی دُور تک لگے ہوتے ہیں ؟"
"ہاں۔"
"تار کون لوگ بھیجتے ہیں ؟"
"سب بھیجتے ہیں۔"
"مجھے تو کسی نے نہیں بھیجا۔ تار کیسے آتا ہے ؟"
"کوئی بھیج دے تو آجاتا ہے۔"
"مجھے کون بھیج سکتا ہے ؟"
"کوئی دوست یا عزیز۔"

"میرے سب دوست اور عزیز تو اسی قصبے میں رہتے ہیں۔ یہ سبز روشنی کس لئے ہے؟"

"یہ ظاہر کرتی ہے کہ لائن خالی ہے۔"

"کون سی لائن؟"

"سان فرانسسکو والی۔"

"اچھا ہرکارہ بننے کے لئے کتنی عمر ہونی چاہئے؟"

"سولہ برس۔"

"میں نو برس کا ہوں۔ آپ سولہ برس کہتے ہیں۔ سترہ کے ہو کر تو سب بحری فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں۔"

"حکومت نے یہی عمر مقرر کی ہے۔"

"کیوں؟"

"بچوں کو مشقت سے بچانے کے لئے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ مشقت تھکا دیتی ہے۔ بچے آرام نہیں کر سکتے۔ کھیل نہیں سکتے۔ حکومت بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔"

"حفاظت کیسے کی جاتی ہے؟"

"بچوں کو مزدوری سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ لوگ بچوں کو ملازم رکھ کر ان پر

حکم نہیں چلا سکتے۔"

"اور اگر کوئی بچہ حفاظت نہ چاہے۔ کام کرنا چاہے تب؟"

"اس کی بھی حفاظت کی جاتی ہے۔"

"لفظ بچہ کب تک ساتھ لگا رہتا ہے؟"

"پتہ نہیں — لیکن ہرکارہ بننے کی عمر سولہ برس ہے۔"

"اور ہومر جو ہرکارہ ہے، وہ کون سا سولہ کا ہے؟"

"اس سے خاص رعایت کی گئی ہے۔ وہ نہایت ذہین اور چست لڑکا ہے۔"

"لیکن ہرکارے کو ذہانت کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت تو نہیں۔ لیکن ذہین ہونا اچھا ہے۔"

"کیسے پتہ چلتا ہے کہ فلاں ذہین ہے؟"

"چند منٹ باتیں کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔"

"یہ آپ کاغذوں کی ڈھیریاں کیوں بنا رہے ہیں؟"

"یہ وہ تاریں ہیں جو کل ہم نے بھیجے تھے۔ میں انہیں چھانٹ رہا ہوں۔ ہر شہر کی مختلف ڈھیری ہے — مثلاً یہ سان فرانسسکو کے تار ہیں۔"

"یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ میں سائیکل بھی چلا سکتا ہوں۔ اگرچہ میرے پاس سائیکل نہیں ہے۔ جب ہوئی تو آپ مجھے ہرکارہ رکھ لیں گے؟"

"ہاں آگی، تم چودہ سال کے ہو جاؤ تو ضرور رکھ لیں گے۔"

"جب بارہ برس کا ہو گیا تب؟"

"تب دیکھا جائے گا۔ ہرکارہ کیوں بننا چاہتے ہو؟"

"نئی نئی باتیں سیکھوں گا، تجربے میں اضافہ ہوگا۔ لیکن بارہ برس کا ہونے کے لئے تو ابھی تین برس انتظار کرنا پڑے گا۔"

"تین سال تو یوں گذر جائیں گے، پتہ بھی نہیں چلے گا۔"

"ماں تو سے دن گن رہا ہوں کہ کسی طرح بڑا ہو جاؤں۔"

"دیکھ لینا، تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا اور بارہ برس کے ہو جاؤ گے۔ تمہارا پورا نام کیا ہے؟"

"آگسٹس گوٹلیب۔"

"اچھا آگسٹس وعدہ رہا، وقت آنے پر۔"

سپنگلر نے فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ ایک لڑکی دوڑتی ہوئی اندر آگئی۔ یہ ڈیڈ اینا سٹیڈ تھی جو ابھی ابھی اپنی کار سے اتری تھی۔

"اچھا ہوا تم مل گئے۔" اس نے سپنگلر کو بازوؤں میں دبوچ لیا۔

"ذرا ٹھہرو۔" سپنگلر اسے ایک طرف ہٹا کر کاغذات سمیٹنے لگا۔

لڑکی نے پھر اسے پکڑ لیا۔ سپنگلر نے بمشکل اپنے آپ کو چھڑایا۔

"ٹھہرو تو سہی۔ یہ کاغذ رکھ لوں۔ اتنے میں آگسٹس سے باتیں کرو۔ آگسٹس ان سے ملو، یہ مس سٹیڈ ہیں۔"

"ہلو" ڈائینا نے کہا۔

"ہلو" کہہ کر آگی سوچنے لگا کہ اور کیا کہے۔

"آپ اخبار لیں گی؟"

"ضرور لوں گی۔ کتنے کا ہے؟"

"پانچ سینٹ کا۔ گھڑ دوڑ کی خبریں، بازار کے بھاؤ، جنگ کا حال، سب کچھ اس میں ہے۔"

ڈائینا نے پانچ سینٹ نکالے۔ آگی نے پھرتی سے اخبار کو تہہ کیا۔

"یہ لیجئے — بدھ کو میرے پاس ایوننگ پوسٹ اور لبرٹی بھی ہوتے ہیں، اور جمعے کو کوئیر۔ میں نصف بھر کو پرچے دیتا ہوں —"

"اچھا — پھر تو تم کافی کما لیتے ہوگے —"

"کوئی چالیس سینٹ روزانہ بچ ہی جاتے ہیں۔ جب میلہ لگے گا تو میں سوڈا بیچوں گا —"

"بڑے محنتی لڑکے ہو —" ڈائینا کی آواز بہت پیاری تھی۔

"جی میں نئی نئی باتیں سیکھتا رہتا ہوں۔ انسان کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہوں۔" آگی نے یہ فقرہ اس طرح کہا جیسے وہ ڈائینا کو دیکھتے ہی پہچان گیا ہے کہ بہت اچھی لڑکی ہے۔

"میں نے تمہارا اتنی دیر انتظار کیا، تم نے وعدہ کیا تھا کہ پانچ بجے آؤ گے۔ دیکھو

اب کیا بجا ہے۔"

"میں بھول گیا۔ آگی سے باتیں ہو رہی تھیں۔ خیال نہیں رہا۔ اسے ہر کارہ بننے کا شوق ہے، میں نے وعدہ کیا ہے کہ وقت آنے پر اسے ضرور رکھ لیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ اچھا خدا حافظ مسٹر سپینگلر، مس سٹیڈ۔ خدا حافظ آلی سس۔" آگی چلا گیا۔

"آلی سس!" ڈائینا خوش ہو کر بولی۔ "کتنا پیارا نام ہے۔ اکاتھا میں آلی سس۔ لیکن تم نے پانچ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا اور نہیں آئے۔ آج شام کو کھانے پر تو آؤ گے نا؟ امی اور ابا تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ شام کے سات بجے۔"

"ٹھہرو تو سہی۔ میری بھی تو سنو۔"

"میں کچھ نہیں سنوں گی۔ ایک مرتبہ تو انتظار کرا لیا، اب پھر مایوس کرو گے؟"

"تمہیں کبھی مایوس نہ ہونے دوں گا۔ لیکن یہ دعوت پر کیوں بلایا جا رہا ہے؟"

"اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" ڈائینا نے اس طرح کہا جیسے سپینگلر چھوٹا سا بچہ ہو۔ "تم سے محبت ہے، محبت ہے، محبت ہے۔"

"کچھ تو خیال کرو۔ جب ایسی گفتگو ہوتی ہے میں۔"

"لیکن مجھے سچ مچ محبت ہے۔"

"آج تک میں صرف دو دفعہ دعوتوں پر گیا ہوں اور دونوں مرتبہ سخت

بیزار ہوا۔"

"لیکن اس دعوت پر بیزار نہیں ہوگے۔ وہاں صرف امّی ابّا ہوں گے جو یقیناً تمہیں پسند کریں گے۔ کوئی خاص اہتمام نہیں ہوگا، فقط شام کو سیاہ لباس پہننا ہوگا۔"

"میں تو اسی لباس میں آؤں گا۔ صبح ہو یا شام، میں ایک ہی وضع کے کپڑے پہنتا ہوں۔"

"تو پھر پورے سات بجے ۔ یہ سفید سی چیز کیا ہے؟"

"اُبلا ہوا انڈا ہے ۔ خوش نصیبی کی نشانی ۔"

"تمہاری یہی باتیں تو مجھے پسند ہیں ۔ اچھا میں چلوں۔ جلدی گھر پہنچنا ہے۔"

گروگن تار ٹائپ کر چکا تھا۔ سپنگر نے بچے کو اس کے حوالے کیا۔ "ولی! میں ذرا کاربٹ کی دکان تک ہو آؤں۔ اس کا خیال رکھنا۔ یہ ہومر کا چھوٹا بھائی ہے۔ بیچارہ کسی پھندے وغیرہ میں پھنس گیا تھا۔ اُلی سس، یہ مسٹر ولی گروگن ہیں۔"

"ہم تو پرانے دوست ہیں ۔ کیوں ننھے؟"

اُلی سس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

# اکیلی لڑکی

سپینگلر باہر نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ مشین کھڑکنے لگی۔ پیغام خود بخود ٹائپ ہونے لگا۔ اس نے الفاظ پڑھے "بڑے تار گھر والے بلا رہے ہیں۔ ہومر واپس آئے تو اسے بٹھا لینا، دوسرے تار گھر سے بھی اطلاع آئے گی۔ ہومر چاہے تو ویسٹرن یونین کے ہرکارے کو آج پھر بھرا سکتا ہے۔ کل کتنے تار ملے تھے؟"

"سڑسٹھ" گروگن نے بتایا۔

"اڑسٹھ میں سے سڑسٹھ ہمیں ملے کیونکہ ہومر پہلے پہنچا۔ جو ہرکارہ دیر میں پہنچے اسے صرف ایک تار ملتا ہے۔ میں ذرا کاربٹ کی دکان تک ہو آؤں۔"

مشین پھر کھڑکنے لگی۔ یہ دوسرے تار گھر والے تھے۔

"آج میں پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

سپینگلر سرپٹ بھاگا، اتنی تیزی سے جیسے سنٹر فارورڈ گیند لئے گول کرنے جا رہا ہو۔ نکڑ پر ایک لڑکی نظر آئی۔ حسین، پژمردہ اور خاموش۔ اکیلی کھڑی غالباً بس کا انتظار کر رہی تھی۔ سپینگلر کا دھیان کسی اور طرف تھا لیکن لڑکی کی اداسی نے اسے متوجہ کر لیا۔ ایک ان جانی کشش سے مغلوب ہو کر وہ اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور بڑی بے ساختگی سے لڑکی کو چوم لیا۔ "تم سی حسین لڑکی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔" یہ کہہ کر وہ گبگٹ بھاگا۔ جب تار گھر کی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا تو دوسرا ہرکارہ سڑک پر اپنی سائیکل

رکھ رہا تھا۔ سپنگلر دفتر میں داخل ہوا تو دوسرا ہرکارہ بجلی کی لفٹ کا انتظار کر رہا تھا۔

"میں محکمۂ ڈاک کے تار گھر سے آیا ہوں۔" سپنگلر نے کھڑکی سے جھانک کر کہا۔

"ٹام تم پھر ہرکارے بن گئے ہو؟" اندر سے بوڑھی عورت نے پوچھا۔

"جو ایک مرتبہ ہرکارہ بن جائے، عمر بھر ہرکارہ رہتا ہے۔ لیکن دراصل میں تمہیں ملنے آیا کرتا ہوں مسز برونگٹن۔"

دوسرے ہرکارے نے صدا لگائی۔ "ویسٹرن یونین۔"

"ہیری آج تم پھر دیر سے پہنچے۔" عورت نے صرف ایک تار اُسے دیا۔

ہرکارہ سوچنے لگا کہ حریفوں نے آج پھر ہرا دیا۔ لیکن یہ اطمینان تھا کہ اس مرتبہ ہومر نے نہیں خود مینجر نے ہرایا ہے۔ اس نے مسز برونگٹن کو سلام کیا اور چلا گیا۔

عورت نے کاغذوں کا بنڈل سپنگلر کے حوالے کیا۔ "لو ٹام پورے ایک سو انتیس پیغام ہیں۔ ایک بھی ہیرنگ نہیں۔"

"ایک سو انتیس۔ اچھی خاصی آمدنی ہو جائے گی۔" سپنگلر نے آگے بڑھ کر عورت کو چوم لیا۔

"ٹام کیا کرتے ہو؟" عورت نے خوش ہو کر کہا۔

"بیس سال ہوئے میں نے تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ یاد ہے جب میں پہلی دفعہ ہرکارہ بن کر آیا۔ تب سے یہ خواہش تھی کہ تمہیں چوم لوں۔ اتنے طویل عرصے میں تمہاری خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں آیا۔"

"ٹامی، بوڑھوں کو نہیں چھیڑا کرتے ۔"

"کون کہتا ہے کہ تمہارے حُسن میں تغیر آ گیا ہے ؟"

"تم بڑے اچھے ہو۔ تمہارا نیا ہرکارہ بھی اچھا ہے۔ آج وہ نہیں آیا ؟"

"ہومر ؟ آج اس کا بھائی کسی پھندے میں پھنس گیا تھا۔ اسے دیر ہو گئی ۔

اب وہ ہر روز آیا کرے گا اور سب سے پہلے پہنچے گا ۔ خُدا حافظ ایلی ۔"

"تمہیں میرا پہلا نام بھی یاد ہے ؟"

سپنگلر واپس آتے وقت بیحد مسرور تھا۔ ہومر نے اپنے بھائی کو پھندے سے چھڑا لیا۔ گروگن ضعیفی کے باوجود کام کرتا ہے۔ آگی ہرکارہ بننے کے لئے بڑی پھرتی سے بڑا ہو رہا ہے۔ ڈایَنا سٹیڈ مجھے چاہتی ہے اور وہ غمگین سی حسینہ جو اکیلی کھڑی تھی۔

اُسے یاد آیا ۔ یہی جگہ تو تھی جہاں وہ بس کا انتظار کر رہی تھی ۔ پتہ نہیں وہ کبھی پھر ملے گی یا نہیں۔ اگر ملی بھی تو کیا اتنی ہی دلکش معلوم ہو گی ؟

وہ سیٹی بجاتا ہوا کاربٹ کی دکان میں داخل ہوا ۔ اندر پرانا والز ۔" تمہارے سوا مجھے کچھ نہیں چاہئے ۔" بج رہا تھا ۔

بار پر کاربٹ کھڑا تھا ۔ اس نے دیکھتے ہی گلاس میں وسکی انڈیلی، اور پانی ڈال کر گلاس سامنے رکھ دیا۔

"ہلو الف ۔ کیا حال ہے ؟"

"نہ اچھا ہے نہ بُرا — ان دنوں سپاہی بہت آتے ہیں۔ اُن کے پاس فرصت زیادہ ہوتی ہے اور پیسے کم۔ میں اُن سے خاص رعایت برتتا ہوں۔ جیب خالی ہو جانے پر کبھی کبھار اپنے پاس سے کچھ دے دیتا ہوں۔"

"اس طرح نقصان نہیں ہوتا؟"

"ہوتا تو ہے لیکن جنگ کے بعد شاید نفع کما سکوں۔ دراصل مجھے کاروبار چلانا نہیں آتا۔ میں دکاندار ہرگز نہیں ہوں۔ ینگ کاربٹ ہوں جو کبھی مکہ باز تھا۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ پریشان سا تھا، چہرے پر تفکر کے آثار نمایاں تھے۔

"شام یہ کل کی بات ہے۔ شام کو میں کام میں مصروف تھا۔ یکایک ایک آدمی چلّایا — ابے او بہروپیے شراب دے — وہ سپاہی نہیں تھا بلکہ مقامی باشندہ تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ شاید کسی اور سے مخاطب ہے۔ لیکن بار پر میرے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

"بہروپیے! کیا تُو نے مجھ سے کلام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں بہروپیے تجھ ہی سے تو مخاطب ہوں۔ شراب لا جلدی سے۔"

اور میرا خون کھولنے لگا۔ اب ایسے مرے بُسے آدمی سے میں کیا کہتا۔ اُسے پیٹنا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ میں مکہ باز رہ چکا ہوں۔ میں اُس کے پاس گیا اور اسے یوں اٹھا لیا۔"

کاربٹ نے سپنگلر کو کوٹ کے کالر سے پکڑ کر ہوا میں لٹکا دیا۔

"یوں اٹھا کر میں نے اس سے کہا۔" تُو ینگ کاربٹ سے باتیں کر رہا ہے۔ اگر میں نے ایک مکہ لگا دیا تو تیرا یہیں انتقال ہو جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تجھ جیسے آدمی میری دکان میں آ کر مریں۔ اسی وقت یہاں سے نکل جا اور خدا کا شکر ادا کر کہ میں نے تجھے زندہ چھوڑ دیا ہے۔"

کاربٹ نے سپنگلر کا کوٹ چھوڑا تو وہ کانپ رہا تھا۔

"رات بھر میں غصّے سے تلملایا کیا۔ یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا۔ ہر رات کوئی نہ کوئی لڑنے آجاتا ہے۔ میں بہت ڈرتا ہوں کبھی زیادہ غصہ آگیا تو کسی کو جان سے مار بیٹھوں گا۔ یہ کاروبار مجھ سے نہیں چلتا، یہ کام چھوڑنا پڑے گا۔"

دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے سپنگلر نے واپس جاتے وقت دیکھا کہ سپاہی خوب مزے میں ہیں۔ باجے پر مشہور دُھن "سفید کلیاں" بج رہی تھی۔ سپاہی گا رہے تھے۔ گانا تو یُونہی سا تھا لیکن لَے بُری نہیں تھی۔

# سائیکل کا سفر

سپینگلر دفتر پہنچا تو ہومر لفافے بند کر رہا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی چپ چاپ بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

"مسٹر سپنگلر آپ وقت پر پہنچ گئے تھے؟" ہومر نے پوچھا۔

"ہاں ایک سو انتیس پیغام لایا ہوں۔"

"ایک سو انتیس؟ آپ پہنچے کس طرح؟"

"دوڑتا ہٹوا گیا۔"

"تو آپ نے ویسٹرن یونین کے ہرکارے کو ہرا دیا۔؟"

"بالکل ـــ بلکہ راستے میں حسن اور معصومیت کو خراج دینے، ذرا دیر رکا بھی تھا۔"

ہومر اس فقرے کو نہ سمجھ سکا۔ سپنگلر جلدی سے بولا۔ "اپنے بھائی کو گھر چھوڑ آؤ۔"

"مجھے گگنہیم کے ہاں جانا ہے جو راستے میں ہے۔ اُلی سس کو گھر اتار کر گگنہیم کے ہاں جاؤں گا۔ وہاں سے فوٹی کے ہاں اور پھر واپس۔ منٹوں میں لوٹ آؤں گا۔"

وہ چھوٹے بھائی کو سائیکل پر بٹھا کر چل دیا۔ قصبے سے باہر نکل کر اس نے رفتار تیز کر دی۔ اُلی سس نے پیچھے مڑ کر بھائی کے چہرے کو دیکھا اور کہنے کی

مخصوص مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ آگئی۔

"بھائی جان۔"

"کیا ہے؟"

"مجھے گانا آتا ہے۔"

"اچھا۔۔؟"

اُلی سٹس گنگنانے لگا۔۔ "ہم گیت گائیں گے۔۔ ہم گیت گائیں گے۔ ہم گیت گائیں گے۔۔"

"یہ گیت تو نہ ہوا، ایک فقرے کو بار بار دُہرانا گانے میں شامل نہیں۔ لو سُنو، میں گاتا ہوں۔۔ تم ساتھ دینا۔۔"

ہومر گانے لگا۔۔

"میرے محبوب مت رو، آج مت رو
ہم اپنے وطن کینٹکی کا گیت گائیں گے
پُرانا وطن جو بہت دُور ہے۔۔"

"بھائی جان اسے پھر گائیے۔۔"

ہومر نے دوبارہ گیت سُنایا۔ جب اُلی سٹس گا رہا تھا تو اسے مال گاڑی نظر آئی جس میں حبشی بیٹھا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ اپنی چار سالہ زندگی میں اُلی سٹس نے ایسا دلکش نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سائیکل کا سفر

گھر کے سامنے ہومر نے چھوٹے بھائی کو اتار دیا۔ بربط اور پیانو پر گانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اندر اس کی والدہ، بہن اور میری آپہ بنا گا رہی تھیں۔

"ننھے تم جاؤ، گھر میں امی ہیں، آپا ہیں اور میری بھی ہیں۔ میں کام پر جاتا ہوں۔"

"آپ واپس چلے جائیں گے؟"

"ہاں، پھر رات کو لوٹوں گا۔"

چھوٹے بھائی کو دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر ہومر روانہ ہو گیا۔

# تین سپاہی

ڈائینا سٹیڈ کے گھر میں دعوت تھی، مہمانوں میں سپنگلر بھی تھا۔ باہر بڑی تیز بارش ہو رہی تھی۔

اس وقت بیس اور میری برساتیاں اوڑھے تار گھر کی طرف جا رہی تھیں بیس نے پوٹلی تھام رکھی تھی جس میں ہوم کا کھانا تھا۔

ایک نوجوان نے سیٹی بجائی اور آواز کسا ۔۔

"آج کدھر دھاوے ہیں؟"

لڑکیاں خاموشی سے گذر گئیں۔ سامنے سے تین فوجی سپاہی آ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ چھٹی پر ہیں۔ آپس میں خوب دھینگا مشتی کر رہے تھے، یا یہ کوئی کھیل تھا جو انہوں نے زندگی کی نفاست اور اس کے مہمل پن سے تنگ آ کر خود ایجاد کیا تھا۔ بارش میں وہ مسرت کی تلاش میں تھے۔ اُن کے قہقہوں سے گلی گونج رہی تھی۔ ایک دوسرے کو کھینچتے دھکیلتے آ رہے تھے۔ لڑکیوں کو دیکھ کر ایک دم رک گئے۔ ہر ایک نے باری باری سلام کیا۔ لڑکیاں خوش تو ہوئیں لیکن کچھ گھبرا سی گئیں

"بیچارے گھر سے دور ہیں ۔۔" میری نے بیس کے کان میں کہا۔

"ہم رک جائیں؟" بیس نے پوچھا۔

لڑکیاں ٹھہر گئیں۔ ایک سپاہی جو بے حد موٹا تھا اور ان کا نمائندہ معلوم ہوتا تھا

آگے بڑھا۔

"خواتین! ہم ایک عظیم جمہوری فوج سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے خادم ہیں۔ ہم تین سپاہی ہیں۔ آپ نے اپنے حسین چہرے دکھا کر جو مسرت بخشی ہے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ میرے ساتھیوں سے ملئے — یہ ٹیکساز ہے جو نیو جرزی کا رہنے والا ہے — یہ گھوڑا ہے، اس کا گھر ٹیکساز میں ہے۔ میں پلا ہوا ہوں اور سرزمینِ بھوک سے آیا ہوں۔ میں حسین امریکن لڑکیوں کی رفاقت کا بھوکا ہوں۔ ہمیں سرفراز فرمائیے۔"

"ہم سینما جا رہی ہیں۔"

"کیا ہم تین سپاہی جو آج یہاں ہیں، کل وہاں ہوں گے، دو امریکن لڑکیوں کے ساتھ سینما جا سکتے ہیں۔ آج آج ہے اور کل — کل ہی ہے۔ کل ہم چھاؤنی میں ہوں گے اور ایک بیہودہ مگر اہم فرض ادا کر رہے ہوں گے۔ انسانی دماغ میں آزادی کو تباہ کرنے والے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ انہیں جھلس دینے کا مقدس فرض ہمارے سپرد ہے۔ آج ہم اپنے گھروں سے دور ہیں، تنہا ہیں، آج ہم آپ کے بھائی ہیں۔ شکاگو کی گلیوں سے پکڑ کر مجھے اس فوجی وردی میں اتار دیا گیا ہے۔ آپ کی رفاقت مجھے اپنے شہر میں لے جائے گی۔ ہمارے التماس پر فیاضی کا مظاہرہ کیجئے۔ ہم سب ایک بڑے کنبے کے افراد ہیں۔ ہم انسان ہیں۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو ہمیں آپ سے ملنے کا موقع کبھی نہ ملتا۔ ایسے موقعے صدیوں میں

کبھی کبھار آتے ہیں۔"

"یہ تو بالکل پاگل ہے۔" میری نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں بیچارہ اُداس ہے، آؤ ان کے ساتھ سینما دیکھ آئیں۔"

"اچھا، تو تم اس سے کہدو۔"

"چلئے۔" بلیس نے سپاہیوں سے کہا۔

"ہم ممنون ہیں، مشکور ہیں، احسان مند ہیں۔" پلے ہوئے نے کہا۔

"پہلے میں اپنے بھائی کو کھانا پہنچا دوں، وہ قریب ہی تار گھر میں ہوگا۔"

"تار گھر؟" پلا ہوا بولا۔ "چلو یار تار بھیجتے ہیں۔ کیوں ٹیکساز؟"

"نیو جرزی کا پتہ نہیں کیا لگے گا؟"

"ایک ذرا سے تار پہ کون سی دولت خرچ ہو جائے گی — اور تم، گھوڑے؟"

"میں امی، جو، اور کٹی کو تار بھیجوں گا۔ کٹی میری محبوبہ ہے۔"

"دُنیا کی ہر لڑکی میری محبوبہ ہے، اتنے سارے تار کیسے بھیجوں، لہٰذا ایک تار ہی سب کے لئے کافی ہوگا۔" پلے ہوئے نے فیصلہ کیا۔

پانچوں تار گھر پہنچے۔ وہاں گروگن اکیلا بیٹھا تھا۔

"میں ہومر کی بہن ہوں، اس کا کھانا لائی ہوں۔"

"آپ اچھی تو ہیں مس میکالے — ہومر ابھی آجائے گا، میں اُسے بتا دوں گا۔"

"یہ تینوں سپاہی تار بھیجنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور ۔۔۔ یہ لیجئے پنسل اور خالی فارم ۔" گروگن بولا۔

"جرزی شہر کا کیا لگے گا ۔" ٹیکساز نے پوچھا۔

"پچیس الفاظ کے پچاس سینٹ ہوں گے، پتے اور دستخط کے الفاظ نہیں گنے جائیں گے۔ تار علی الصبح پہنچ جائے گا ۔"

"اور سان انتون کا کیا ہوگا؟" گھوڑا بولا۔

"جرزی سے نصف ۔۔۔ سان انتون مقابلتاً قریب ہے ۔"

پکلے ہوئے نے تار لکھ لیا تھا۔ گروگن الفاظ گننے لگا۔

ایما ڈانا معرفت شکاگو یونیورسٹی، شکاگو

جانم مجھے تم سے محبت ہے۔ تمہیں یاد کرتا ہوں۔ ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہے۔ خط لکھتی رہا کرو۔ سویٹر مل گیا، شکریہ۔ اعلیٰ اقتصادیات تو میں ان دنوں سیکھ رہا ہوں۔ ہم بہت جلد محاذ پر جا رہے ہیں۔ اتوار کو گرجے میں میرے لئے دعا ضرور مانگا کرو۔ باقی سب خیریت ہے۔

نارمن

ٹیکساز نے اپنا فارم گروگن کو دیا:۔

مسز ایڈتھ انتھنی۔ وِل منگٹن سٹریٹ۔ جرزی شہر۔ نیو جرزی

امی جان! آپ کیسی ہیں۔ میں خیریت سے ہوں۔ آپ کا خط اور خشک انجیریں

ملیں۔ شکریہ۔ کسی بات کا فکر مت کیجیے۔ خدا حافظ

برنارڈ

گھوڑے کا تار یوں تھا :-

مسز ہاروے گلفورڈ۔ سینڈی فورڈ بیو وارڈ۔ سان انتونیو۔ ٹیکساز۔

چمکیلے کیلیفورنیا کے قصبے اکاتھا سے آداب عرض کرتا ہوں۔ اگرچہ اس وقت یہاں موسلا دھار بارش ہو رہی ہے ۔ ہا ۔ ہا ۔ ہا ۔ سب کو سلام پہنچا دیجیے۔ جو سے کہیے کہ وہ میری بندوق اور کارتوس بیٹنگ لے لے ۔ خط ضرور لکھیے۔

کوئنٹن

گروگن مشین کے پاس جا بیٹھا۔ سپاہی اور لڑکیاں سینما چلے گئے۔

اس وقت پردے پر ونسٹن چرچل کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں کینیڈا کی پارلیمنٹ میں تقریر کر رہے تھے۔ سپاہیوں اور لڑکیوں کو بیٹھنے میں کچھ وقت لگا۔ اتنے میں چرچل کچھ ایسی باتیں کر چکے تھے جن پر پارلیمنٹ کے ممبر بھی تالیاں بجا رہے تھے اور سینما میں تماشائی بھی۔

پلے ہوئے نے بیس سے کہا۔ "یہ شخص دنیا کے عظیم ترین آدمیوں میں سے ہے۔ یہ ایک عظیم امریکن بھی ہے ــــ"

"میں نے سنا تھا کہ چرچل انگریز ہے" گھوڑا بولا۔

"درست ہے مگر یہ امریکن بھی ہے۔ دنیا میں جو اچھا انسان بستا ہے، آج سے وہ امریکن ہی کہلائے گا۔" پلے ہوئے نے کہا اور میری کی طرف جھک گیا۔ "آپ نے ہمیں رفاقت کی عزت بخشی ہے۔ ہم مشکور ہیں۔ لڑکیاں ساتھ ہوں تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اچھی اچھی خوشبوئیں بھی آتی ہیں جو سپاہیوں سے ہرگز نہیں آتیں۔"

"ہم تو ویسے بھی سینما آ رہی تھیں۔" میری بولی۔

اب پردے پر مسٹر روز ویلیٹ اپنے ہائڈ پارک والے گھر سے تقریر کر رہے تھے۔ تقریر اُن کی مخصوص متانت اور خوش طبعی کی حامل تھی۔ سب خاموشی سے سنتے رہے۔ تقریر ختم ہوئی تو تالیاں بجیں۔

"یہ امریکہ کا سب سے بڑا سپوت ہے۔" گھوڑے نے کہا۔

پردے پر امریکہ کا جھنڈا لہرایا تو دوبارہ تالیاں بجیں۔

"اور یہ دنیا کا ممتاز ترین جھنڈا ہے۔" میکساز بولا۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے۔ ملک کی قدر تبھی ہوتی ہے جب کوئی مصیبت آجائے۔ ورنہ انسان وطن کی پرواہ نہیں کرتا۔ بالکل جیسے اپنے کنبے کو کوئی کچھ نہیں سمجھتا۔" پلے ہوئے نے کہا۔

"اس جھنڈے کو دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ پہلے یہ نظر آتا تو مجھے واشنگٹن اور لنکن کا خیال آیا کرتا اور اب اپنا پردیسی بھائی مارکس یاد آنے لگتا ہے۔" بیس بولی۔

"اچھا، تمہارا بھائی فوج میں ہے؟"

"ہاں۔ کچھ عرصہ ہوا شمالی کیرولینا سے اُس کا خط آیا تھا۔"

"جھنڈا دیکھ کر ہمیں اپنی عزیز ترین چیزیں یاد آتی ہیں۔ میری نگاہوں میں شنگا گو پھرنے لگتا ہے اپنی اچھی اور بُری چیزوں سمیت۔ اچھی چیزوں سے مراد میری محبوبہ اور عزیز و اقارب ہیں اور بُری چیزیں وہاں کی سیاست اور غلیظ گلی کوچے ہیں۔ لیکن مجھے ان سب سے محبت ہے۔ ایک دن وہ گلیاں دوبارہ تعمیر ہوں گی اور سیاست بھی سُدھر جائے گی۔" پلے ہوئے نے کہا۔

"ہمارے قصبے میں تو گلی کوچے ایسے نہیں ہیں البتہ غربت ہے۔ سیاست کا بھی زور نہیں ہے۔ ویسے ہمارے کنبے کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہمیں تو موسیقی پسند ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت میرا بھائی مارکس گا رہا ہوگا یا ارگن باجہ بجا رہا ہوگا۔"

اس وقت مارکس شمالی کیرولینا کے ایک چھوٹے سے قصبے کے میخانے میں ارگن بجا رہا تھا۔ اس کا رفیق ٹوبی جارج گا رہا تھا۔ دو سپاہی لڑکیوں کے ساتھ ناچ رہے تھے۔ یہ لڑکیاں بالکل بیس اور میری سے ملتی تھیں۔ گانا ختم ہوا۔ ٹوبی جارج اپنے دوست مارکس کے پاس جا بیٹھا اور میکالے کنبے کے متعلق پوچھنے لگا۔

اُسی وقت سپنگلر اور ڈائینا سینما میں داخل ہوئے۔ فلم ابھی شروع ہوئی تھی پردے پر ایکٹروں کی فہرست آئی۔ پھر کچھ اور نام آئے۔ چند لوگوں کی تعریف بھی

کی گئی تھی۔ ساتھ ساتھ ایک دُھن بج رہی تھی۔

ان دونوں کو پردے کے سامنے جگہ ملی۔ آس پاس کی سیٹیں خالی پڑی تھیں۔ کونے میں چند بچے بیٹھے تھے۔

بیس، میری اور ان کے ساتھی کافی پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہسپتال کا سین دکھایا جا رہا تھا۔ ہر چیز صاف ستھری اور شفاف۔ چمکتا ہوا فرش اور مکمل خاموشی۔

یکایک ہال میں آواز گونجی۔ "ڈاکٹر کیوانا۔ ڈاکٹر کیوانا۔ آپ کی ضرورت ہے۔"

یہ سنتے ہی سپنگلر اٹھ کھڑا ہوا۔ شام بہت اچھی گذری تھی۔ پینے پلانے کا شغل بھی رہا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے قطار میں بیٹھے ہوئے بچوں کا ہم عمر ہو۔

"اوہ — ہم غلط جگہ آ گئے ہیں — آؤ۔" اس نے ڈائینا کو گھسیٹا۔

"لیکن فلم تو ابھی ختم نہیں ہوئی —"

"میرے لئے ختم ہو چکی ہے۔ آؤ۔"

باہر نکلتے ہوئے سپنگلر نے ایک بچے سے کہا۔ "تم بہشت میں ضرور جاؤ گے۔ ڈائینا بچے کے سامنے مت آؤ، اسے فلم دیکھنے دو۔"

"لیکن فلم تو ابھی شروع ہوئی ہے۔" وہ حیران تھی۔

"جی آپ نے کیا فرمایا تھا؟" بچے نے پوچھا۔

"یہی کہ تم بہت اچھے بچے ہو، سیدھے بہشت میں جاؤ گے۔"

بچے کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس نے حیرت سے سپنگلر کو دیکھا اور پوچھا — "جی کیا بجا ہے ؟"

"پتہ نہیں — لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی" سپنگلر نے کہا۔

دونوں باہر کھڑے تھے "ذرا کاربٹ کے ہاں چلتے ہیں۔ تھوڑی سی پی کر پیانو سنیں گے۔ پھر تم گھر چلے جانا۔"

"تمھیں مجھ سے محبت ہے — ہے نا ؟ بتاؤ —"

"محبت ؟ میں تمھیں فلم دکھانے جو لے گیا تھا۔"

بارش ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے کاربٹ کی دکان کی طرف جا رہے تھے۔

# مسٹر گروگن اور جنگ

جب سپنگلر اور ڈائینا، کاربٹ کی دکان میں داخل ہوئے تو بارش میں بھیگا ہوا ہومر تار گھر پہنچا۔ وہاں فقط ایک تار پڑا تھا۔

"بیس تمہارا کھانا چھوڑ گئی ہے۔" گروگن بولا۔

"ناحق لے آئی، میں تو سوچ رہا تھا کہ سمو سے کھاؤں گا۔ کئی چیزیں آئی ہیں مسٹر گروگن آپ بھی تھوڑا سا کھا لیجئے۔"

"میرا جی نہیں چاہ رہا۔"

"تھوڑا سا چکھیں گے تو شاید بھوک لگ جائے۔"

"نہیں برخوردار۔ اور تم تو بالکل شرابور ہو رہے ہو۔ یہاں برساتیاں پڑی تھیں اوڑھے جاتے۔"

"میں راستے میں تھا کہ بارش آگئی۔ چند لقمے کھا کر میں یہ تار دے آؤں گا۔ کیسا تار ہے یہ؟"

گروگن چپ رہا۔ ہومر سمجھ گیا کہ ضرور کسی کے مرنے کی خبر ہو گی۔

"کاش کہ ایسے تار یہاں نہ آیا کریں۔" ہومر نے کھانا چھوڑ دیا۔

"جی برا مت کرو۔ کھانا کھا لو۔ آج تمہاری بہن کے ساتھ ایک حسین لڑکی تھی۔"

"جی ہاں — وہ میری ہے۔ ہمارے پڑوس میں رہتی ہے۔ میرے بھائی مارکس کی

منگیتر، جنگ ختم ہوتے ہی دونوں کی شادی ہو جائے گی۔"

"ان کے ساتھ تین سپاہی بھی تار دینے آئے تھے۔"

"اچھا، کہاں ہیں تار؟"

ہومر تار پڑھنے لگا۔ "مسٹر گرہ وگن میں یہی سوچتا رہتا ہوں کہ جنگ میں جو ہمارے دوست، آشنا اور ناواقف مرتے رہتے ہیں، ان کی موت کس قدر بے سود ہے۔ اکاتھا چھوٹا سا گاؤں ہے، امریکہ میں ایسے بے شمار قصبے ہیں، وہاں بھی ایسے تار آتے ہوں گے۔ امیروں کے نام۔ غریبوں کے نام۔ سب کے نام۔ جنگ میں لوگ کس لئے مرتے ہیں؟ کچھ تو مقصد ہو گا؟"

بوڑھا خاموش ہو گیا۔ جیسے مزید گفتگو کے لئے اسے کسی مدد کی ضرورت ہے۔ اس نے میز کی دراز سے بوتل نکالی۔ بڑے بڑے گھونٹ لئے اور ہومر کے سامنے بیٹھ گیا۔

"مجھے جیتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ شاید ضرورت سے زیادہ طویل عرصہ۔ میرا عقیدہ ہے کہ جنگ ہو یا امن، دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بلا مقصد کبھی نہیں ہوتا اور پھر موت تو نہایت اہم سانحہ ہے۔"

بوڑھے نے ایک اور گھونٹ بھرا۔ "نسل انسانی کے سب افراد ایک دوسرے جیسے ہیں۔ تم انسان ہو، تم میں خوبیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ اسی طرح ہر انسان کے ضمیر میں نیکی بھی ہے اور بدی بھی۔ جیسے ضمیر میں متضاد جذبات کی جنگ ہوتی

ہے۔ اسی طرح کائنات میں مخالف قوتیں آپس میں لڑتی ہیں۔ جسم بیماریوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ جنگیں ظہور میں آتی ہیں۔ لیکن ہر دفعہ فتح نیکی کی ہوتی ہے۔ بیمار روح اور جسم شفا پاتے ہیں۔ یہ عارضے دوبارہ لاحق ہوتے ہیں لیکن تندرستی پھر عود کر آتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ جسم و روح ایک نئی جلا سے آشنا ہوتے ہیں۔ پہلے سے کہیں برتر، لطیف اور قوی۔ پھر ان پر کسی تباہی یا فرسودگی کا اثر نہیں ہوتا۔ ہم سب کسی مقصد کے لئے کوشاں ہیں۔ مقصد اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔ یوں تو چور اور خونی بھی کسی مقصد کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔"

بوڑھے نے لمبا سانس لیا۔ "اس کشمکش میں انسان جان دیتا ہے۔ اس کی موت بے سود نہیں ہوتی۔ وہ سچائی کی تلاش میں تھا۔ حسن، پاکیزگی، حیات جاودانی کی تلاش میں تھا۔ کسی نہ کسی دن نسل انسانی اپنی منزل پالے گی۔ جہاں انصاف ہوگا، خوبصورتی ہوگی اور بقا۔ یہ مصیبت آلودہ دنیا کبھی مہذب ہو جائے گی۔"

بوڑھے نے جیب سے ایک کاغذ نکالا۔

"ایک کام کرو۔ جلدی سے یہ دوائی لے آؤ۔"

ہومر کاغذ لے کر بھاگا، بوڑھا کچھ دیر کھڑا رہا۔ پھر کرسی پر گر پڑا اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔ چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ اسے دل کا دورہ پڑ رہا تھا۔

ہومر دوائی لے آیا۔ بوڑھے نے پانی مانگا اور تینوں گولیاں نگل لیں۔

"میں از حد ممنون ہوں۔" اس نے لڑکے سے کہا۔

ہومر نے دیکھا کہ اس کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔ اس نے لفافے سے تار نکال کر پڑھا، اسے نئے لفافے میں بند کر کے باہر نکل گیا۔

بوڑھا پیچھے پیچھے آیا اور دروازے سے ہومر کو دیکھنے لگا جو بارش اور آندھی میں تیزی سے جا رہا تھا۔

تار کی مشین کھڑکنے لگی۔ لیکن بوڑھے نے آواز نہیں سنی۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔

# امّی کے لئے

ہومر نے سائیکل پُرانی وضع کے بڑے مکان کے سامنے ٹھہرائی۔ اندر پارٹی ہو رہی تھی۔ شور وغل مچا ہوا تھا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ چار پانچ جوڑے ناچ رہے تھے۔ دہشت سے اس کا دل بیٹھنے لگا۔ کچھ دیر موسیقی سنتا رہا۔ کئی بار اس کا ہاتھ گھنٹی کے بٹن تک پہنچا لیکن واپس لوٹ آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ واپس تار گھر جا کر استعفیٰ دے دیا۔ ایسی نوکری پہ لعنت ہے۔

آخر ہمّت کر کے اس نے بٹن دبا دیا۔ ایک نوعمر عورت نے دروازہ کھولا، اسے دیکھتے ہی وہ سائیکل کی طرف بھاگا۔

"کیا بات ہے لڑکے؟" عورت نے پیار سے پوچھا۔

ہومر واپس آگیا ـــ "معاف کیجئے ـــ میں مسز کلاڈیا بیوفرمیر کے نام تار لایا ہوں"

"آج امّی کی سالگرہ ہے ـــ" وہ اندر چلی گئی۔ "امّی آپ کا تار آیا ہے"۔

اس کی والدہ بھی آگئی۔ "یقیناً یہ ایلن کا تار ہے ـــ لڑکے اندر چلے آؤ ـــ تھوڑا سا کیک تو کھاؤ گے نا؟"

"جی نہیں ـــ مجھے کام پر ابھی پہنچنا ہے ـــ"

بوڑھی عورت نے لفافہ اس طرح لیا جیسے اس میں سالگرہ کی مبارکباد ہو۔

"نہیں نہیں نہیں یوں نہیں جانے دیں گے، ذرا سا کیک چکھ لو۔" بوڑھی نے مسکرا

لہجے میں کہا اور ہومر کو بازو سے پکڑ کر اندر لے گئی۔ بڑی میز پر طرح طرح کی نعمتیں رکھی تھیں۔ وسط میں سالگرہ کا کیک تھا۔

"آج میری سالگرہ ہے۔ خدایا وقت کتنی جلدی گذرتا ہے۔ میں سچ مچ بوڑھی ہو گئی ہوں۔ بیٹے مجھے مبارکباد نہ دو گے؟"

"آپ کو سالگرہ — آپ کو سالگرہ —" ہومر کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ وہ سرپٹ دروازے کی طرف بھاگا۔

بوڑھی نے ادھر اُدھر جھانکا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ ایک کونے میں جا کر لفافہ کھولا۔ دیوار پر اسکے سُرخ بالوں والے خوبصورت لڑکے کی تصویر لگی ہوئی تھی جس پہ لکھا تھا۔

"امّی کے لئے —

میری بارھویں سالگرہ پر"

بوڑھی نے تار پڑھا، اس کے مُنہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ آہستہ آہستہ سسکیاں لے رہی تھی — جو گراموفون کے نغمے میں ڈوب گئیں۔ لوگ ناچ رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے۔

لڑکی نے دُور سے والدہ کو دیکھا اور جلدی سے گراموفون بند کر دیا۔

"امّی" اس نے چیخ ماری اور والدہ کی طرف بھاگی۔

# اپنا اپنا دُکھ

فلم ختم ہو چکی تھی۔ لوگ باہر نکل رہے تھے۔
بیس نے پلے ہوئے سے کہا۔ "اب ہم گھر جائیں گی۔"
"ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"
تینوں سپاہی خاموش کھڑے کسی خوشگوار غیر متوقع واقعے کے منتظر تھے۔
پلا ہوا لڑکیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے بڑی معصومیت سے بیس اور میری کو چوم لیا۔
"اور ہم؟" گھوڑے نے احتجاج کیا۔ "ہم اور ٹیکساز بھی تو فوج میں ہیں۔" گھوڑے نے انہیں چوما، اس کے بعد ٹیکساز نے۔
ایک عورت چلتے چلتے رک گئی اور یہ نظارہ دیکھ کر ناک بھوں چڑھانے لگی۔ لڑکیاں جلدی سے گلی میں غائب ہو گئیں۔
گھوڑے نے چھلانگ لگائی اور ٹیکساز پر سوار ہو گیا۔ اس نے پلے ہوئے کو دھکیلا۔ تینوں کودتے چلاتے روانہ ہو گئے۔
"ہُو ہُو ہُو — ٹیکساز — گھوڑا چلایا۔
پلے ہوئے کی زبان کیسے چلتی ہے — کیوں بے ٹسکاگو یونیورسٹی کے موٹے تازے پروفیسر —" ٹیکساز نے نعرہ لگایا۔

پلا ہوا زور سے ہنسا — "یار و جب کانگرس میں منتخب ہو کر پہنچوں گا، تو حکومت سے کئی شکائتیں کروں گا۔"

"پتّی یے ییٔے — چلے چلو میاں، کیا ہانک رہے ہو۔ اپنا اپنا دُکھ ہے، اکیلے جھیلو —"

بنا ٹک بنڈ ٹک کھیلتے، ایک دوسرے کو پھلانگتے، روشن گلیاں چھوڑ کر وہ اندھیرے کی طرف جا رہے تھے —— جنگ کی طرف۔

# ایک بہتر زندگی

ہتومرنار دے کر واپس آیا تو بارش تھم چکی تھی۔ چاند چمک رہا تھا اور اُجلے اُجلے بادلوں کے ٹکڑے آسمان میں تیر رہے تھے۔

"ٹانگ کو کیا ہوا، دن بھر لنگڑاتے رہے ہو۔" گرو گن بولا۔

"جی ٹھیک ہوں۔ کوئی اور تار تو نہیں آیا؟"

"اب چھٹی ہے۔ گھر جا کر مزے سے سو جاؤ۔ تمہاری ٹانگ کو ضرور کچھ ہوا ہے۔"

"موچ آگئی ہے، سکول میں دوڑ تھی۔ میں سب سے آگے تھا۔ اتنے میں ڈرل ماسٹر جو مجھے پسند نہیں کرتا سامنے سے آگیا۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں رُکا نہیں۔ وہیں ٹھہر جاتا تو اچھا ہوتا۔ یونہی جیتنے کی دھن میں دوڑتا چلا گیا۔ ہم دونوں دھڑام سے گرے۔ عجیب بات ہوئی کہ میرے ہم جماعت ہیوبرٹ ایکلے نے لڑکوں کو وہیں روک لیا۔ یہ لڑکا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ امیر گھرانے کا ہے اور تصنع کا عادی۔ جس لڑکی کو میں چاہتا ہوں وہ اسے پسند کرتی ہے۔ جوں جوں وہ اس کی جانب ملتفت ہوتی ہے اتنی ہی مجھے آگ لگتی ہے۔ رشتے داروں کو چھوڑ کر مجھے یہ لڑکی سب سے عزیز ہے اور یہی میری پروا نہیں کرتی۔ وہ جو ڈرل ماسٹر ہے بائی فیلڈ اُسے مخل ہونے کا کوئی حق نہیں نہ تھا۔ بڑا شرارتی ہے۔ مس ہکس نے بتایا کہ وہ جھوٹا بھی ہے۔ مس ہکس ہماری

اُستانی ہیں اور پینتیس سال سے تاریخ پڑھا رہی ہیں۔ اُنھوں نے بھائی مارکس اور آپا بیس کو بھی پڑھایا تھا۔ ڈرل ماسٹر سے ٹکر کھا کر میں گرا اور چوٹ لگ گئی۔ لیکن اٹھتے ہی پھر بھاگنے لگا۔ میں اس لئے جیتنا نہیں چاہتا تھا کہ واہ واہ ہوگی یا ہیوبرٹ کو ہرا دوں گا، کیونکہ ہیوبرٹ نے تو میرے گرنے پر لڑکوں کو روک لیا تھا۔ میں تو اس لئے کوشش کر رہا تھا کہ مسٹر سپینگلر نے سکول میں یہ دوڑ جیتی تھی اور اُستانی صاحبہ بھی چاہتی تھیں کہ میں جیت جاؤں۔ ہُوا یوں کہ جماعت میں میری اور ہیوبرٹ کی بحث چھڑ گئی۔ اُستانی صاحبہ نے سزا کے طور پر ہمیں وہیں بٹھا لیا۔ بائی فیلڈ آیا اور جھوٹ بول کر ہیوبرٹ کو ساتھ لے گیا۔ اُستانی کہتی تھیں کہ جب وہ ان کا طالب علم تھا تب بھی جھوٹ بولا کرتا۔ وہ ملول ہوگئیں اور دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہیں اور مجھے دوڑنے کی اجازت بھی دے دی۔ مسٹر سپینگلر تو علاقے کے چیمپئن رہ چکے ہیں، دیکھئے میں کیا کرتا ہوں۔ اس سال تو مشکل ہے۔ اگلے سال شاید ــــ"

ہومر نے ٹانگ کو دو تین جھٹکے دیئے ــــ "اس پہ کسی چیز کی مالش کروں گا۔"

"سائیکل چلانے میں تو دقت نہیں ہوتی؟"

"ہوتی تو ہے لیکن میں دہنے پاؤں سے پیڈل گھماتا ہوں۔ بائیں ٹانگ پر زور نہیں پڑتا۔ معمولی سی موچ معلوم ہوتی ہے، مالش سے ٹھیک ہو جائے گی۔"

"ہومر، صرف تین دن میں تم کتنے بدل گئے ہو؟"

"جی بدل تو گیا ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے عمر میں بڑا ہو گیا ہوں۔ نوکری سے پہلے

میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ جو تھوڑی بہت معلومات تھیں وہ نہ ہونے کے برابر تھیں سب کہتے ہیں کہ میں سکول کا سب سے ہوشیار لڑکا ہوں۔ یہاں تک کہ جو مجھے پسند نہیں کرتے وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں، مجھے کچھ نہیں آتا۔ سیکھنے کی کوشش البتہ کرتا ہوں "

"ہاں — کوشش جاری رکھنی چاہیئے "

"مسٹر گروگن۔ پتہ نہیں مجھے کہنا چاہیئے یا نہیں۔ میں وہ نہیں ہوں جو نظر آتا ہوں۔ باطن میں میں کہیں اس سے بہتر ہوں "

وہ بولتا گیا۔ شاید اس لئے کہ تھکا ہوا تھا، موج سے پریشان تھا، ایک مسرور کنبے کو موت کی خبر پہنچا کر آیا تھا اور اسے یقین تھا کہ گروگن بھلا آدمی ہے

"— میرا جی بہت چاہتا ہے کہ کسی طرح ایک نئی دنیا تخلیق ہو۔ ایک بہتر زندگی جنم لے۔ ایک نئی نسل ظہور میں آئے۔ یہ باتیں میں کسی اور سے کبھی نہ کہتا۔ مسٹر گروگن میں دن رات محنت کروں گا کچھ بن کر دکھاؤں گا۔ پہلے میں ہوائی قلعے بنا بنا کر خوش ہو لیا کرتا تھا ہمارا کنبہ خوش باش انسانوں کا کنبہ ہے اور ہم ہمیشہ مسرور رہتے ہیں۔ لیکن اب پتہ چلا ہے کہ میں بالکل لاعلم تھا۔ اب تک میں نے یہ سیکھا ہے کہ کچھ بھی نہیں سیکھا۔ لیکن اب میں آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ سوچتا رہتا ہوں۔ اگرچہ اس طرح احساسِ تنہائی بڑھ جاتا ہے لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ ہمارے کنبے میں سب خوش رہتے ہیں لیکن ہم میں سختی اور توانائی بھی ہے۔ مجھے تو ان بیچاروں پہ ترس آتا ہے جو مغموم و تنہا ہیں اور ان میں سختی اور

برداشت بھی نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ اب تو مجھے اس کی پروا بھی نہیں رہی کہ ہیلن مجھے پسند نہیں کرتی۔ کاش کہ ایسا ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ تب بھی ٹھیک ہے۔ اُسے ہیوبرٹ عزیز ہے تو ہوا کرے ہیلن جیسی نفاست پسند لڑکی کو اگر ہیوبرٹ سا تصنع پسند بھا گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ میں آدابِ محفل سے بے بہرہ ہوں، جو دل میں ٹھان لوں کر گزرتا ہوں۔ بعض اوقات کلاس میں اُلٹی سیدھی ہانک جاتا ہوں۔ اُستادوں کو پریشان کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ جی چاہتا ہے۔ زندگی میں کیسے کیسے غم ہیں۔ کتنی پیچیدگیاں ہیں۔ یا تو کچھ ہوتا ہی نہیں۔ اگر ہوتا ہے تو غلط ہوتا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی واہی تباہی بک لینے میں کوئی حرج نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ یونہی خواہ مخواہ شستہ بن کر دکھاؤں۔ تصنع سے مجھے نفرت ہے۔"

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ "اُفوہ بارہ بج چکے ہیں۔ کل سینچر ہے۔ سینچر کا پہلے کتنا چاؤ ہوتا تھا۔ مسٹر گروگن ایک سینڈوچ کھا لیجئے۔"

"دے دو برخوردار، اب بھوک لگ آئی ہے۔" گروگن کھانے لگا۔

"اپنی والدہ کا شکریہ ادا کر دینا۔"

"جی نہیں یہ تو معمولی سی بات ہے۔"

"نہیں معمولی نہیں ہے، میں ان کا ممنون ہوں۔"

"بہت اچھا، میں کہہ دوں گا۔"

# طلوعِ نُور

گرو گن دفتر میں بیٹھا ایک دُھن گنگنا رہا تھا جس سے جوانی کی کئی یادیں وابستہ تھیں۔ سپینگلر آگیا۔ کچھ خمار، کچھ ڈائینا کے ساتھ گذاری ہوئی دلکش شام کا اثر۔ وہ بہت خوش تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن بات نہ کی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے لگے تھے۔ کبھی کبھی گھنٹے گذر جاتے اور دونوں خاموش بیٹھے رہتے۔

سپینگلر نے کاغذات کے ڈھیر پہ رکھا ہوا انڈا اٹھایا اور کچھ سوچ کر واپس رکھ دیا۔ ڈائینا یاد آگئی۔

"تمہیں مجھ سے محبت ہے — ہے نا؟" اس نے دوہرایا

"کیا ہے تمام؟"

"وِلّی، اگر تم سے کوئی حسینہ کہے — تمہیں مجھ سے محبت ہے — ہے نا — ؟ تو تم کیا سمجھو گے؟"

"کہہ نہیں سکتا"

"ایسی حسینہ تمہیں کیسی لگے گی وِلّی — جو بار بار یہ کہے — تمہیں مجھ سے محبت ہے — ہے نا — ہے نا؟"

بوڑھا مسکرانے لگا۔

"کوئی نئی بات؟" سپینگلر نے پوچھا۔

"نہیں کوئی نہیں ـــ سوائے اس کے کہ باہر بارش ہو رہی ہے۔"

"نیا لڑکا کیسا ہے؟"

"سب ہرکاروں سے اچھا ـــ"

"میں نے تو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ لڑکا اچھا ہے۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے ـــ ہے نا؟" سپنگلر کو رہ رہ کر وہی الفاظ یاد آتے تھے۔

"وِلی ـــ دفتر میں خود بند کر لوں گا۔ مجھے تھوڑا سا کام کرنا ہے۔ اس ہرکارے کا نام خوب ہے ـــ ہومر میکالے۔ اس کا والد ہومر کی جگہ تھامس، ولیم، ہنری، یا کوئی اور معمولی سا نام بھی رکھ سکتا تھا۔"

"اس کے چھوٹے بھائی کا نام یُولی سس ہے اور بہن کا بیس ـــ"

"ہومر، یُولی سس، بیس ـــ"

"اور بڑا بھائی مارکس ـــ"

"مارکس، بیس، ہومر، یُولی سس ـــ سب تاریخی نام ہیں۔" سپنگلر بولا۔

"تم گھر جانا چاہو تو چلے جاؤ ـــ"

"گھر؟" گروگن مسکرایا۔ "دفتر کے بعد مجھے کوئی کام نہیں ہوتا ـــ سوائے سونے کے اور نیند سے مجھے نفرت ہے۔ تھوڑی دیر اور دفتر میں ٹھہر جاؤں؟"

"وِلی تم فکر بہت کرتے ہو۔" سپنگلر نے مشفقانہ انداز میں کہا۔ "زیادہ سوچا مت کرو۔ نہ تم بوڑھے ہو، نہ تمہیں کوئی پنشن پر بھیج سکتا ہے۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ ایک

دن نہ آؤ تو دفتر نہیں چل سکتا۔ تم سو برس کی عمر پاؤ گے اور تمہارا ہر روز کام میں گذرے گا"

"شکریہ ٹام۔ آج پھر دل کا دورہ پڑا تھا۔ یونہی معمولی سا تھا۔ مجھے کچھ دیر پہلے پتہ چل گیا۔ لڑکا یہیں تھا۔ دوڑ کر دوائی لے آیا۔ ڈاکٹروں نے دوائی منع کر رکھی ہے۔ کہتے ہیں، آرام کرو اور طبی معائنہ کراتے رہا کرو۔"

"ڈاکٹر کچھ نہیں جانتے۔ وہ صرف مادے کو سمجھتے ہیں، روح سے ناآشنا ہیں اور میں اور تم غیر مادی دنیا میں رہتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی باتوں کا خیال مت کیا کرو۔ ویسے کبھی کبھی آرام کر لیا کرو۔"

"ٹام — اب تو دائمی آرام قریب ہے۔"

"میرے خیال میں تم کاربٹ کے ہاں جا کر کچھ پیو۔ وہاں موسیقی بھی ہے۔ اس کے بعد ہم پرانے زمانے کی باتیں کریں گے — ڈلنسکی، ہٹا ملنشن اور ڈیون پورٹ۔ یُل اور بیگلا میکن ٹائر — جا کر ایک دو جام پی آؤ۔"

"مجھے شراب نہیں پینی چاہیئے — ٹام۔"

"مجھے معلوم ہے کہ نہیں پینی چاہیئے لیکن شراب تمہیں پسند ہے۔ کبھی کبھی پسند ممانعت سے زیادہ اہم ہوتی ہے — جاؤ پی آؤ۔"

"اچھا —"

گروگن کے جاتے ہی ایک نوجوان جو دیر سے باہر چکر لگا رہا تھا اندر آ گیا۔ سپنگلر نے اسے پہچان لیا۔

"تمہاری والدہ نے فوراً منی آرڈر بھیج دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم گھر چلے گئے ہو گئے۔ شاید روپے واپس کرنے آئے ہو۔ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔"

"میں لوٹانے نہیں مزید رقم لینے آیا ہوں اور اس مرتبہ مانگوں گا نہیں وصول کروں گا۔"

"معاملہ کیا ہے؟" سپنگلر نے پوچھا۔

"یہ ہے۔" نوجوان نے دہنی جیب سے ریوالور نکال لیا۔ اس کی انگلیاں تھرتھر کانپ رہی تھیں۔

سپنگلر جو کہ مسرور تھا کچھ سمجھ نہ سکا۔

"جلدی سے روپیہ میرے حوالے کر دو — لیکن جو کچھ دفتر میں ہے نکالو۔ ہر جگہ لوگ ایک دوسرے کی جان کے پیچھے لگے ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں مار دیا یا میں مارا گیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر شور مچایا یا روپیہ دینے میں حجت کی تو گولی مار دوں گا — جلدی کرو۔"

سپنگلر نے نقدی کا صندوقچہ کھولا۔ سارے نوٹ اور سکے نکال کر نوجوان کے سامنے رکھ دیئے۔

"یہ تو میں تمہیں ویسے بھی دے دیتا۔ اس لئے نہیں کہ تم ہتھیار تھامے کھڑے ہو بلکہ اس لئے کہ ضرورت مند ہو۔ اس وقت صرف اتنی ہی نقدی ہے اسے لے کر پہلی ٹرین سے گھر چلے جاؤ۔ تقریباً پچھتر ڈالر ہیں۔ یہ میں اپنی تنخواہ سے ادا کر دوں گا۔"

نوجوان خاموش کھڑا تھا۔

"کہہ جو رہا ہوں لے لو۔ تمہیں ضرورت ہے۔ تم مجرم معلوم نہیں ہوتے اور نہ تمہاری علالت لاعلاج لگتی ہے۔ تمہاری والدہ انتظار کر رہی ہوں گی۔ یہ روپیہ میں انھیں تحفتہً پیش کرتا ہوں۔ یہ چوری میں شمار نہیں ہوگا۔ اور یہ ریوالور نیچا کر لو، بلکہ اسے پھینک دو۔"

اس نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور اُسی ہاتھ سے مُنہ چھپا لیا۔

"اب مجھے اسی ریوالور سے خودکشی کر لینی چاہئے۔"

"بے وقوف مت بنو، روپے لو اور گھر چلے جاؤ۔ اگر چاہو تو ریوالور یہیں چھوڑ جاؤ۔ میں جانتا ہوں۔ تم کیا سوچ رہے ہو۔ بارہا ایسے خیالات میرے دل میں بھی آئے ہیں۔ سب انسان ایک جیسے ہوتے ہیں۔ قبرستان اور جیلیں اُن امرکین لڑکوں سے بھرے ہوئی ہیں جنہیں بدنصیبی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ عادی مجرم ہرگز نہ تھے۔"

اس نے ریوالور سپنگلر کے سامنے ڈال دیا اور بولا۔ "میں نہیں جانتا، تم کون ہو۔ لیکن جس طرح پیش آئے ہو، آج تک کوئی پیش نہیں آیا۔ نہ مجھے ریوالور چاہئے نہ روپیہ۔ سیدھا گھر جاؤں گا۔ میں بیرا پھیری کر کے یہاں آیا تھا اسی طرح واپس چلا جاؤں گا۔" وہ کھانسنے لگا۔ "پتہ نہیں ماں بیچاری نے کیسے ڈالر کس طرح اکٹھے کئے ہوں گے۔ اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے اور میں نے وہ

سب شراب اور جوئے میں ضائع کر دیئے —"

"اندر چلے آؤ۔" سپنگلر نے اسے بلا لیا۔ وہ آکر کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"بات کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ میں بیمار رہوں۔ شاید مجھے دق ہے۔ اگر نہیں ہے تو ہونی چاہیئے۔ میں شکایت نہیں کر رہا۔ لیکن بدقسمتی سائے کی طرح ساتھ لگی رہتی ہے۔ ویسے سارا قصور میرا ہے — میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی مت جاؤ — میں سب کچھ سننا چاہتا ہوں۔"

"کیا بتاؤں۔ مجھے سمجھ بوجھ سے قاصر سمجھئے۔ میں نہیں جانتا کہ میری منزل کہاں ہے۔ اگر وہاں پہنچ گیا تو کیا کروں گا۔ میرا کوئی عقیدہ نہیں، کوئی ایمان نہیں حالانکہ میرے والد پادری تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو میں تین برس کا تھا۔ یہی سوچتا رہتا ہوں کہ وقت کیسے گذاروں۔"

"وقت تو کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتا ہے۔ کسی مفید کام میں گذرے تو بات ہے۔" سپنگلر بولا۔

"میں سدا کا بے چین اور غیر مطمئن ہوں۔ پتہ نہیں کیوں۔ ہر چیز اپنی اہمیت کھو چکی ہے۔ مجھے لوگوں سے نفرت ہے، نہ ان پہ بھروسہ ہے نہ اعتبار۔ ان کی باتوں، ان کے اصولوں اور ان کی حرکتوں سے سخت نفرت ہے —"

"ہر شخص کی زندگی میں یہ دور آیا کرتا ہے۔"

"یہ نہیں کہ میں اپنے آپ کو سمجھ نہیں سکتا۔ میں خود کو خوب پہچانتا ہوں۔ جو کچھ ہوا اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ دراصل میں دُنیا سے سخت بیزار ہوں۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔ جیسی زندگی چاہتا ہوں وہ میسّر نہیں ہوتی، جو میسّر ہے وہ مجھے پسند نہیں۔ میں روپے کا بھوکا نہیں، جب چاہوں ملازمت کر سکتا ہوں مگر مجھے آقا پسند نہیں ہیں۔ ان کے سامنے ذلیل ہونا نہیں چاہتا۔ میں نے کئی مرتبہ نوکری کی لیکن ہر مرتبہ لڑ جھگڑ کر چلا آیا۔ ہفتہ، دو ہفتے، مہینے سے زیادہ میں ملازمت نہیں کر سکتا۔ میں نے فوج میں بھرتی ہونا چاہا کہ کہیں باہر نکل جاؤں گا یا لڑائی میں مارا جاؤں گا۔ فوج میں کوئی کسی کو بلا وجہ تنگ نہیں کرتا۔ سلوک بھی قدرے بہتر ہوتا ہے۔ لیکن انھوں نے مجھے نہیں لیا۔ طبّی معائنے میں رہ گیا۔ صرف پھیپھڑے ہی خراب نہ تھے اور بھی کئی نقائص نکلے۔"

وہ کھانسنے لگا۔ کھانسی اتنی شدید تھی کہ دیر کے بعد سانس آیا۔ سپنگلر نے جلدی سے بوتل نکالی۔ "لو تھوڑی سی پی لو۔"

"شکریہ! ویسے تو پکا شرابی ہوں لیکن اس وقت صرف چند گھونٹ لوں گا۔"

"کچھ مطالعے کا شوق بھی ہے؟"

"جب گھر پہ تھا تو پڑھا کرتا تھا۔ والد کے پاس کتابوں کا بہت عمدہ ذخیرہ تھا۔ سب مشہور مصنفوں کی کتابیں تھیں۔ مجھے ولیم لیک کی تصنیفات بہت پسند تھیں۔ شاید آپ نے بھی پڑھی ہوں۔ شیکسپیئر، ملٹن، پوپ، ڈرائن، ڈکنز، تھیکرے۔

سب کو پڑھا۔ لیکن اب جی اچاٹ ہو گیا ہے۔ اب تو میں اخبار بھی نہیں پڑھتا۔ خبریں پہلے سے معلوم ہوتی ہیں۔ جھوٹ، دغا بازی، قتل و غارت ـــ لوگ ہر وقت ذلیل حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ـــ" اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"آپ کے اخلاق اور حُسنِ سلوک کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ آپ نہایت اچھے انسان ہیں۔ اگر آپ ڈر جاتے یا بُری طرح پیش آتے تو میں گولی مار دیتا۔ دنیا میں یا تو لوگ خوفزدہ ہیں یا تُرش رو ہیں۔ میں اب سمجھا ہوں کہ ہتھیار لے کر یہاں کیوں آیا تھا۔ روپیہ لوٹنے نہیں بلکہ یہ معلوم کرنے کہ وہ انسان جو دوسرے کے ساتھ کبھی اچھی طرح پیش آیا تھا اس کے دل میں کون سا جذبہ کارفرما تھا ـــ جذبۂ انسانیت یا کچھ اور ـــ اس کی شرافت محض اتفاقیہ تو نہ تھی۔ گمان تک میں نہ تھا کہ کوئی اتنا شائستہ بھی ہو سکتا ہے۔ آج کے واقعے نے میرے خیالات بدل دیئے ہیں۔ اب تک میں یہی سمجھتا تھا کہ نسلِ انسانی بے حد گری ہوئی ہے۔ یہاں ایک بھی ایسا نہیں جسے انسان کہا جا سکے مجھے مغرور لوگوں سے بھی نفرت رہی ہے اور قابلِ رحم ہستیوں سے بھی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اپنے گھر سے ہزاروں میل دور آج مجھے اچانک ایک مہذب انسان ملا ہے۔ مدتوں میرے ذہن میں کشمکش رہی کہ کہیں ایسا انسان بھی ہو گا؟ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں انسانیت پر ایمان لے آؤں گا۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیئے۔ آپ نے سب کچھ مجھے دے دیا ہے۔ اب میں گھر جا کر صحیح زندگی بسر کرنے کی کوشش کروں گا۔"

وہ کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

سپنگلر نے نقدی واپس صندوقچے میں رکھ دی۔ ریوالور سے گولیاں نکال لیں اور اُسے بھی صندوقچے میں ڈال دیا۔ تاروں کے ایک بنڈل میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ آخر اُسے وہ تار مل گیا جسے نوجوان نے اپنی والدہ کو بھیجا تھا۔ اس نے خالی فارم پر یہ پیغام لکھا:۔

مسز مارگرٹ سٹرکمین۔ ۱۸۷۴ بڈل سٹریٹ۔ یارک۔

پنسلوینیا۔

امّی جان! روپے مل گئے۔ بہت جلد گھر پہنچوں گا۔ سب خیریت ہے۔

جان

وہ مشین کے پاس جا بیٹھا اور تار بھیج دیا۔

گروگن واپس آکر اُسی کرسی پر بیٹھ گیا جہاں کچھ دیر پہلے نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔

"طبیعت کیسی ہے؟"

"بہت بہتر ہے۔ دو جام پیئے۔ پیانو پر موسیقی سُنی۔ سیاہی خوب گا رہے تھے۔"

"تمہیں مجھ سے محبت ہے — ہے نا — ہے نا؟ — ولی وہ بار بار یہی کہا کرتی ہے — اُس سے شادی نہ کر لوں؟"

بوڑھا مسکرانے لگا۔

"ولی گیت کیسے تھے؟"

"سب پرانے تھے — ٹام ۔ یاد ہے ڈیون پورٹ کیسا خوش الحان تھا"

"اچھی طرح یاد ہے ۔ اُس کے نغمے کبھی نہیں بھول سکتا ۔ گیتوں کے علاوہ حمد کتنی اچھی طرح ادا کیا کرتا —"

"اُس کی نائیں کون بھول سکتا ہے ۔ اپنی طرف سے دہریہ بنا پھرتا تھا ۔ لیکن ہر اتوار کو نغنیہ نغمے گاتا — تار بھی بھیج رہا ہے ۔ تمبا کو بھی چبا رہا ہے ، گا بھی رہا ہے — اس گیت سے دن شروع کرتا ۔ —

"خوش آمدید اے دلکش صبح ، مقدس دن کی پیغامبر ۔ آج تو روشنی ہی روشنی ہوگی ، سب طلوعِ نور کے منتظر ہیں —"

"مجھے بھی یاد ہے — سب طلوعِ نور کے منتظر ہیں —"

"اس کے بعد وہ گاتا —

"اے خدا ! اے صبح و شام کے مالک !
ہم تیری عطا شدہ روشنی کے لئے ممنون ہیں —"

پھر شام ہوتی تو وہ دہریہ انگڑائی لے کر گنگناتا —

"دن ختم ہو رہا ہے ، ظلمتوں کی آمد ہے ۔
اے بخشش کرنے والے ، ہم پر رحم کر
نیند آنے سے پہلے ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کریں
اے مالک تو ہی نجات دہندہ ہے ، تو ہی مسیحا ہے —"

گرےوگن خاموش ہو گیا۔ اُسے اپنا بچھڑا ہوا دوست یاد آ رہا تھا جسے مرے ہوئے مدّتیں گذر چکی تھیں۔

"ٹام کتنی صداقت ہے اس میں — کتنی سچائی ہے —"

سپنگلر اٹھا۔ اس نے بوڑھے کے کندھے کو تھپتھپایا اور دفتر بند کرنے لگا۔

# موت کا فرشتہ

ہومر سو گیا، لیکن بے چینی میں بار بار کروٹ بدلتا۔ اس نے خواب دیکھا کہ دو سو بیس گز کی دوڑ ہو رہی ہے، وہ پھلانگتا ہے تو ہر مرتبہ بائی فیلڈ پکڑ لیتا ہے آخر ٹانگ کے درد سے مجبور ہو کر وہ گر پڑا۔ اس لئے بائی فیلڈ کے منہ پر مکہ رسید کیا اور چلّایا ۔"تم مجھے نہیں روک سکتے بائی فیلڈ — میں دوڑوں گا، ضرور دوڑوں گا —" وہ پھر بھاگنے لگا۔ لکڑی کا ایک چوکھٹا تو بہت ہی اونچا تھا۔ — کوئی آٹھ فٹ کے قریب۔ لیکن اکا تھا کا شیر اسے بھی پھلانگ گیا۔

خواب کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہ سائیکل پر تیزی سے جا رہا ہے۔ بائی فیلڈ نے راستہ روک رکھا ہے۔

"بائی فیلڈ کتنی دفعہ کہا ہے کہ تم مجھے نہیں روک سکتے" یہ کہہ کر سائیکل سمیت وہ اس کے سر کے اوپر سے گذر گیا۔

لیکن بائی فیلڈ پھر سامنے کھڑا تھا۔ سائیکل پھر اٹھی اور ہوا میں اڑنے لگی۔ — بائی فیلڈ پاگلوں کی طرح ہومر کو دیکھ رہا تھا جو سائیکل سمیت بیس فٹ اونچا اڑ رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔ کشش ثقل کے اصولوں کا ہی کچھ لحاظ کرو —"

"نہ مجھے کشش ثقل کے اصولوں کی پروا ہے، نہ اعداد و شمار، طلب و رسد

یا دوسرے اصولوں کی۔ مجھے تو یہ پتہ ہے کہ تم مجھے نہیں روک سکتے ــــ نہیں روک سکتے۔"

بائی فیلڈ کو زمین پر چھوڑ کر ہومر اڑتا چلا گیا۔ اب وہ کالے کالے بادلوں میں سے گذر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان میں ایک اور ہرکارہ بھی ہے جو سائیکل پر جا رہا ہے اور جس کی شکل ہومر سے ملتی ہے۔

ہومر نے اس کے تعاقب میں اپنی رفتار تیز کر دی۔ پہلے تو وہ دُور دُور رہے پھر ہومر قریب آتا گیا۔ دوسرے ہرکارے نے پیچھے مُڑ کر دیکھا ــــ ہو بہو ہومر کی شکل تھی۔ لیکن اس کے حلئے اور چہرے کے اظہار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت کا فرشتہ ہے۔

وہ دونوں اکاتھا کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اُسے پکڑنے کے لئے ہومر نے سارا زور لگا دیا۔ اب قصبے کی روشنیاں اور گلی کوچے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ اگر موت کے فرشتے کو فوراً نہ پکڑا گیا تو آفت آ جائے گی۔

آخر ہومر نے اُسے آ لیا اور اس کا رُخ موڑ دیا۔ لیکن دوسرا ہرکارہ پھرتی سے مُڑا اور قصبے پر اُترنے لگا۔

تھکا ہارا ہومر مایوس ہو کر رونے لگا۔ اس کی سائیکل آہستہ آہستہ نیچے گر رہی تھی ــــ "واپس آ جاؤ ــــ کاتھا میں نہ جاؤ ــــ انہیں کچھ نہ کہو ــــ لوٹ آؤ۔"

اُلی سس جاگ اُٹھا۔ بھائی کو روتے دیکھ کر سیدھا والدہ کے پاس گیا اور اُسے آہستہ سے جھنجھوڑا۔ ماں جاگ اُٹھی اور بغیر کچھ پوچھے اس کے ساتھ ہولی۔ پہلے اس نے اُلی سس کو بستر میں لٹایا۔ پھر دھیمی آواز میں کہنے لگی۔ "ہومر بیٹے سو جاؤ — تم تھکے ہوئے ہو — سو جاؤ بیٹے — سو جاؤ —"

ہومر کی سسکیاں بند ہوگئیں اور وہ خاموش ہوگیا۔ ذرا سی دیر میں دونوں بھائی سو گئے۔ اب نہایت رنگین خواب شروع ہوا۔ ہومر نے دیکھا کہ وہ ندی کے کنارے انجیر کے درخت کے نیچے لیٹا ہوا ہے۔ اُسے یہ جگہ جانی پہچانی معلوم ہوئی — یہ تو وہی گوشہ ہے جہاں پچھلی گرمیوں میں مارکس اور میں آیا کرتے تھے۔ ہم ندی میں تیرتے اور گھاس میں بیٹھ کر جہان بھر کی باتیں کیا کرتے — اس نے مسکرا کر انگڑائی لی اور بھول گیا کہ خواب دیکھ رہا ہے۔

سب کچھ اسی طرح تھا۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ وہی بہتا ہوا شفاف پانی، وہی جھومتی ہوئی ٹہنیاں اور موسم بہار کی خوشبوئیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک حسین لڑکی چلی آرہی ہے۔ سادہ سا لباس پہنے، ننگے پاؤں — یہ تو ہیلن ہے — میری محبوبہ — وہ چھلانگ مار کر اٹھا اور استقبال کے لئے آگے بڑھا۔

دونوں خاموش تھے۔ ہومر نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور وہ درختوں کے جھنڈ کی طرف چلے گئے۔ سیر کے بعد دونوں نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ دیر تک تیرتے رہے۔ جب تھک گئے تو دھوپ میں چمکتی ہوئی سنہری ریت پر لیٹ کر سو گئے۔

# خوبانی کا درخت

اُلی سس علی الصبح اُٹھا، نئی نئی نکلی ہوئی دھوپ میں اُچھلتا کودتا پڑوس کے احاطے میں چلا گیا جہاں گائے بندھی ہوئی تھی۔ وہ گائے کو دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ گائے کا مالک بالٹی اور سٹول لے کر آ گیا اور دودھ دوہنے لگا۔ اُلی سس نے بوڑھے کے پیچھے ہو کر جھانکنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ چنانچہ وہ بالکل گائے کے نیچے جا گھسا۔ بوڑھے نے اسے دیکھ لیا تھا لیکن چپ رہا۔

گائے نے پیچھے مڑ کر بچے کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ گائے کی نگاہوں سے سرد مہری ٹپکتی تھی جیسے اُسے یہ بے تکلفی اچھی نہیں لگی۔ اُلی سس وہاں سے ہٹ کر دور جا کھڑا ہوا۔ اس مرتبہ گائے نے اس طرح دیکھا جیسے کسی دوست کو دیکھ رہی ہو۔

گھر لوٹتے ہوئے وہ ایک آدمی کے قریب سے گذرا جو احاطے کے گرد جنگلہ بنا رہا تھا۔ یہ شخص اعصابی، غصیل اور بے صبرا تھا۔ بار بار غلطیاں کرتا اور اپنے آپ کو کوستا، بچہ کچھ دیر اس کی حرکتوں کو دیکھتا رہا پھر چل دیا۔

سنیچر کا دن تھا۔ سکول کے بچے بہت خوش تھے۔ سامنے کے مکان سے آٹھ نو برس کا لڑکا نکلا۔ اُلی سس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ لڑکے نے جواب دیا۔ یہ لائنل کیمبٹ تھا جو محلے بھر میں احمق مشہور تھا۔ لیکن بڑا خوش مزاج اور پُرخلوص بچہ تھا۔

آگسٹس گاٹیب باہر نکل آیا۔ پہلے ہومر محلے کے لڑکوں کا سرغنہ تھا۔ اس کے ملازم ہو جانے پر یہ عہدہ آگی نے سنبھال لیا۔

آگی اپنے چیلوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ اُس کے لئے اُلی سس اور لائنل دونوں بیکار تھے۔ ایک بچہ تھا دوسرا پاگل۔

اس نے مُنہ میں دو انگلیاں ڈال کر سیٹی بجائی۔ تیز سیٹی سے گلی گونج اُٹھی۔ ایک ایک کر کے کھڑکیاں کھلیں اور جواباً سیٹیاں بجنے لگیں۔ لڑکے گھروں سے نکلے اور ذرا سی دیر میں جتھہ اکٹھا ہو گیا۔

"آج کہاں کی تیاری ہے؟" ایک لڑکے نے آگی سے پوچھا۔

"دیکھتے ہیں کہ ہینڈرسن کی خوبانیاں پک گئی ہیں یا نہیں؟"

"میں بھی چلوں؟" لائنل نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"اچھا آجاؤ۔ خوبانیاں تیار ہوئیں تو چراؤ گے؟"

"چوری کرنا گناہ ہے۔" لائنل بولا۔

"پھلوں کی چوری گناہ نہیں۔" آگی نے فیصلہ کیا۔ "اور اُلی سس تم گھر چلے جاؤ۔ چھوٹے بچوں کو ایسی خطرناک مہم پر نہیں جانا چاہیئے۔"

اُلی سس تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اُسے جتھے کے قوانین معلوم تھے۔ اُس کی عمر کم تھی۔ اس لئے آگی کا حکم اُسے بُرا نہیں لگا۔ اس نے سوچا کہ اگر شریک نہ ہو سکے تو دُور ہی سے تماشہ دیکھ لیں گے۔

گروہ سڑکیں اور سیدھی گلیاں چھوڑ کر دشوار اور پیچیدہ راستوں سے گذرتا، دیواریں کودتا ہینڈرسن کے مکان کی طرف روانہ ہُوا۔ اُلیسس پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

"دُنیا کا کوئی پھل پکی ہوئی خوبانی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" آگی بولا۔

"لیکن خوبانیاں مارچ میں کہاں تیار ہوتی ہیں ۔"

"یہ اپریل کا مہینہ ہے، دھوپ تیز پڑے تو کچھ خوبانیاں ضرور پک جاتی ہیں ۔" آگی نے جواب دیا۔

"کافی دنوں سے تو بارش ہو رہی ہے ۔"

"خوبانیوں میں رس کہاں سے آجاتا ہے؟" کسی نے سوال کیا۔

"بارش کی نمی سے۔ بارش بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی دھوپ ۔" آگی نے بتایا۔

"تو دن میں دھوپ اور رات کو بارش۔ تاکہ تمازت بھی پہنچ جائے اور نمی بھی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ خوبانیاں تیار ہیں ۔"

"مجھے بھی یقین سا ہو چلا ہے ۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"لیکن پچھلے سال تو کہیں جون میں جا کر پکی تھیں۔ ابھی تو اپریل ہی شروع ہُوا ہے۔"

"وہ پچھلا سال تھا۔ یہ نیا سال ہے ۔" آگی بولا۔

دُور خوبانیوں کا درخت نظر آ رہا تھا۔ سرسبز، پھلوں سے لدا پھندا۔ یہ درخت پچھلے دس برس سے محلّے کے لڑکوں کی توجہ کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ ہینڈرسن کی عادت تھی کہ پہلے

تو چھپا رہتا پھر یکلخت باہر نکل کر لڑکوں کو بھگا دیتا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"سردیاں ختم نہیں ہوئیں اور چھوکرے خوبانیاں توڑنے آپہنچے۔ آج تو ایک نیا شکاری بھی آیا ہے۔ کتنا چھوٹا سا ہے، مشکل سے چار برس کا ہو گا۔" وہ ہنسنے لگا۔ "جیرالو بھی لڑکو بوڑھے ہینڈرسن کے پھل، اب مارچ میں تمہارے لئے پکی ہوئی خوبانیاں کہاں سے لاؤں؟"

آگی حملے کی تیاری میں مشغول تھا اور لڑکوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ مختلف سمتوں سے لڑکے دبے پاؤں درخت کی طرف بڑھنے لگے۔ خوبانیاں کچی ہوں یا پکی ہینڈرسن کے درخت پر لگی ہوئی ہیں اور جو خوبانیاں درخت پر ہوں اُن کا توڑنا جائز ہے۔

لیکن وہ ڈرے ہوئے بھی تھے۔ گناہ کا خیال اور پکڑے جانے کا خوف۔

"معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ بوڑھا گھر میں نہیں ہے"۔ ایک لڑکا بولا۔

"وہ گھر ہی میں ہو گا۔ بھلا ہم آئیں اور وہ یہاں نہ ہو۔ وہ ہمیں دھوکے سے پکڑنا چاہتا ہے۔ سب خبردار رہو — اور اُلی سس تم فوراً گھر چلے جاؤ۔"

بچے نے آگی کا حکم مان لیا اور تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کیسی ہیں خوبانیاں؟ زرد ہو گئیں یا نہیں؟"

"زردی تو نظر نہیں آرہی۔ مگر وہ تو پتوں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔ یہ لائینل کہاں

چلا گیا؟"

"یہ رہا۔" لائنل بے حد ڈرا ہوا تھا۔

"شاباش! چوکنے رہو۔ بوڑھا نظر آئے تو سرپٹ بھاگنا۔"

"کہاں ہے بوڑھا؟" لائنل نے اس طرح پوچھا جیسے بوڑھا کوئی چھوٹی سی چیز ہوگی جو خرگوش کی طرح دفعتہً گھاس میں سے نکل آئے گی۔

"مجھے کیا پتہ کہاں ہے۔" آگی بولا۔ "شاید گھر میں چھپا ہوا ہو، یا آس پاس تاک لگائے بیٹھا ہو۔"

"آگی، درخت پر تو تم چڑھو گے نا؟"

"درخت پر میرے سوا کون چڑھ سکتا ہے۔ پہلے دیکھ تو لو خوبانیاں کیسی ہیں۔"

"سبز ہوں یا زرد — اب آ گئے ہیں تو توڑ کر رہیں گے۔" ایک لڑکا بولا۔

"آگی، کل سکول کس منہ سے جاؤ گے؟" لائنل نے پوچھا۔

"کہہ تو دیا کہ پھلوں کی چوری اس چوری سے مختلف ہے جس کا ذکر انجیل میں آیا ہے۔" آگی نے جواب دیا۔

"تو پھر خوفزدہ کیوں ہو؟"

"خوفزدہ کون مسخرا ہے، احتیاط کو یہ خوف سمجھتا ہے۔ خواہ مخواہ پکڑے جانے سے فائدہ؟"

"مجھے تو زرد خوبانیاں نظر نہیں آتیں۔" لائنل بولا۔

"تمہیں درخت تو نظر آتا ہے؟"

"ہاں، ہرے رنگ کا درخت نظر آرہا ہے۔"

وہ درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ اُلی سس ذرا دُور تھا۔ اُسے کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اتنا پتہ تھا کہ درختوں اور خوبانیوں کے سلسلے میں کوئی کارروائی کی جارہی ہے۔

لڑکوں نے ایک ایک ٹہنی کا بڑے غور سے مطالعہ کیا۔

"سب کچی ہیں۔"

"ہاں — میرے خیال میں پرسوں تک پک جائیں گی، یا زیادہ سے زیادہ اگلے سنیچر تک۔"

"یہ ہیں کتنی ساری، ٹہنیاں ٹوٹی پڑتی ہیں۔"

"آگی! ہم خالی ہاتھ لوٹ جائیں گے کیا — ایک آدھ ہی توڑ لو۔"

"اچھا — سب فرار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں، میں توڑتا ہوں۔"

آگی نعرہ لگا کر بلّی کی طرح درخت پر چڑھ گیا۔

پورا جتھہ بڑی حیرت سے آگی کے کرتب دیکھ رہا تھا۔ اُلی سس اور ہینڈرسن بھی محوِ تماشا تھے۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور ہینڈرسن باہر نکلا۔ لڑکے سرپٹ بھاگے۔

"آگی! ہینڈرسن آپہنچا۔" کوئی بھاگتے بھاگتے چلّایا۔

آگی لنگور کی طرح ٹہنیوں سے پھسلتا ہوا نیچے اترا۔ زمین پہ پاؤں ٹکنے سے پہلے ہی تابڑ توڑ بھاگا۔ دفعتہً اسے یاد آگیا کہ اُلی سُس پیچھے رہ گیا ہے۔

"بھاگو۔ اُلی سُس۔ بھاگو۔"

لیکن بچہ اطمینان سے وہیں کھڑا رہا۔ آگی واپس آیا اور جلدی سے اُسے دبوچ کر ہوا ہو گیا۔

بوڑھا ہینڈرسن انھیں دیکھتا رہا، جب سب لڑکے غائب ہو گئے اور خاموشی چھا گئی تو مسکراتا ہوا گھر میں چلا گیا۔

# خوش رہو

لڑکے بھاگم بھاگ بڑے چوک میں پہنچے اور اپنے سرگروہ کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد جاں نثار چیلوں نے دیکھا کہ استاد آگی ننھے اُلی سس کا ہاتھ پکڑے آرہا تھا۔ سب اُسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"آگی، کچھ ملا؟"

"یہ بھی پوچھنے کی بات ہے؟ مجھے درخت پر چڑھتے دیکھا تھا یا نہیں؟"

"تو پھر دکھاؤ خوبانی کہاں ہے؟"

اُلی سس بڑے انہماک سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اب تک نہ سمجھ سکا تھا کہ لڑکے کس چکر میں ہیں لیکن اُسے یقین تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے، بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

لڑکوں نے آگی کو گھیر لیا — "اچھا دکھائیں — کہاں ہے خوبانی؟"

آگی کا ہاتھ جیب میں گیا۔ جیب سے بند مٹھی نکلی۔ سب کی نگاہیں مٹھی پر جمی ہوئی تھیں۔

مٹھی آہستہ آہستہ کھلی۔ آگی کی ہتھیلی پر چھوٹی سی سبز خوبانی رکھی تھی۔ اس کے مداحوں کے چہرے مسرت سے دمکنے لگے۔ وہ اپنے لیڈر کو بڑی محبت سے دیکھ رہے تھے۔ لائنل نے اُلی سس کو گود میں اٹھا لیا کہ کہیں وہ

اس نظارے سے محروم نہ رہ جائے۔

خوبانی دیکھتے ہی اُلی سس گھر کی طرف بھاگا کہ یہ کہانی کسی کو سنائے۔

چوک کی بڑی دکان سے ایک لمبے قد کا فلاسفر نما شخص باہر نکلا۔ یہ مسٹر ابرا تھا جو سات برس سے پھلوں کا کاروبار کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر آگی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھتا رہا۔

"لڑکو! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ریاست ہائے متحدہ کی کانگرس کا اجلاس؟ چلو دوڑو — دکان کے سامنے جلسے نہیں کیا کرتے —"

"مسٹر ابرا ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ آپ کو خوبانی دکھائیں؟" آگی بولا۔

"خوبانی — خوبانی کہاں سے ملی؟"

"درخت سے توڑ کر لائے ہیں —"

"ابھی سے کہاں دھری ہیں خوبانیاں — دو مہینے بعد کہیں آئیں گی، مئی میں —"

"جی نہیں یہ مارچ کی خوبانی ہے — دیکھئے کیسی حسین و جمیل خوبانی ہے — ملاحظہ فرمائیے —"

"اچھا اچھا دیکھ لی — اب کہیں اور جا کر جلسہ کرو۔ سنیچر بیوپار کا دن ہوتا ہے۔ صبح صبح آکر شور نہ مچاؤ —"

"بہت اچھا مسٹر ابرا — ہم جاتے ہیں۔ چلو لڑکو —"

ابرا انہیں سڑک عبور کرتے دیکھ رہا تھا۔ جب لڑکے دور نکل گئے تو وہ واپس

دکان میں آگیا۔ اندر ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا تھا جس کی شکل ہو بہو ایرا پر تھی۔

"ابا"

"ہاں بیٹے" ایرا نے آرمینی زبان میں کہا۔

"سیب لوں گا"

باپ نے سیبوں کے ڈھیر سے اچھا سا دانہ چُنا۔

"یہ لو سیب"

وہ اپنے بیٹے کو دیکھنے لگا۔ لڑکا کچھ بجھا بجھا سا تھا۔ وہ بشاشت غائب تھی جو عموماً بچوں کے چہروں پر ہوتی ہے۔ بالکل یہی پژمردگی باپ کے چہرے پر تھی۔ حالانکہ اُن کی عمروں میں کوئی چالیس برس کا فرق ہوگا۔ بچے نے سیب چکھا اور کسی خیال میں کھو گیا۔ باپ سمجھ گیا کہ سیب پاکر بچہ کچھ زیادہ خوش نہیں ہوا۔ اس نے سیب ایک طرف رکھ دیا اور باپ کو دیکھنے لگا۔

اپنے آبائی وطن سے سات ہزار میل دُور — وہ دونوں اتھاکا میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ شاید یہ دل کی ویرانی تھی یا احساسِ تنہائی جس کی وجہ سے دونوں اُداس تھے۔ لیکن یہ پژمردگی سات ہزار میل پرے اپنے وطن میں ہوتے ہوئے بھی چھا سکتی تھی۔ باپ غور سے اپنے بیٹے کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو اس کے اپنے چہرے کا عکس تھا۔ وہی خدّ و خال، وہی آنکھیں، آنکھوں سے جھلکتی ہوئی وہی اداسی۔ دونوں بالکل ایک جیسے تھے۔ فقط ایک کم عمر تھا۔ باپ نے سیب اُٹھالیا

اور خود کھانے لگا۔ اُسے سیب کچھ زیادہ پسند نہیں تھے۔ بھوک بھی نہیں لگی ہوئی تھی۔ پھر بھی وہ کھانے لگا۔ اگر بیٹے نے نہیں کھایا تو اتنا اچھا سیب ضائع ہو جائے گا۔ اس کا اصول تھا کہ کوئی چیز ضائع نہیں کرنی چاہیئے۔ مشکل سے اس نے سیب ختم کیا۔

"ابّا"

"ہاں بیٹے"

"نارنگی لوں گا"

باپ نے اچھی سی نارنگی چُن کر بیٹے کو دے دی۔

"لو نارنگی"

لڑکا چھلکا اتارنے لگا۔ اتنی تیزی سے نارنگی چھیلتے دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ بیٹا خوش ہوا ہے لیکن لڑکے نے دو پھانکیں کھا کر نارنگی ایک طرف رکھ دی۔

اب باپ کو نارنگی کھانی پڑی۔ اس مرتبہ اس نے نصف سے زیادہ حصّہ کوڑے کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

"ابّا"

"ہاں بیٹے"

"مٹھائی لوں گا"

اس نے الماری کھول کر سب سے لذیذ اور عمدہ مٹھائی کی بڑی ساری ڈلی لڑکے کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

گورنمنٹ ... کراچی

"لو مٹھائی ۔"

لیکن لڑکے کو لطف نہ آیا۔ مٹھاس کے سوا اس میں کچھ بھی تو نہ تھا۔ اس نے ڈلی کا بچا ہوا حصہ باپ کو واپس دے دیا۔ محض ضائع نہ کرنے کے خیال سے اس نے ایک لقمہ لے تو لیا لیکن پھر کچھ سوچ کر باقی ماندہ ڈلی پھینک دی۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چلا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ان لوگوں کو کوس رہا تھا جو نرے گنوار اور جنگلی تھے جو کئی ہزار میل دور آباد تھے۔

"ابا!"

"ہاں بیٹے ۔"

"کیلا لوں گا۔"

باپ نے لمبا سانس لیا۔ ابھی وہ بالکل نا امید نہیں ہوا تھا۔ اس نے گچھے سے بڑا سا پکا ہوا کیلا توڑا۔

"یہ لو کیلا ۔"

ایک گاہک دکان میں آگیا۔ دونوں نے سر ہلا کر علیک سلیک کی۔

"آپ کے پاس شیر مال ہیں؟" گاہک نے پوچھا۔

"کس قسم کے شیر مال؟"

اتنے میں ایک اور گاہک آگیا یہ آئی سس تھا جو کونے میں کھڑا غور سے باتیں سن رہا تھا۔

"شیرمال جن میں کشمش ہوں۔" پہلے گاہک نے بتایا
"کشمشوں والے شیرمال۔ جن میں کشمش ہوں۔ دیکھتا ہوں۔"
ایرا الماریاں کھولنے لگا۔ اس کا لڑکا بچا ہوا کیلا لے کر سامنے آ کھڑا ہوا۔
"ابا۔"
باپ نے اسے غصے سے دیکھا۔ "تم نے سیب مانگا، میں نے سیب دیا۔ نارنگی مانگی وہ دی، پھر مٹھائی لی، کیلا لیا۔ اب کیا چاہیے؟"
"شیرمال لوں گا۔"
"کیسا شیرمال؟"
اس کا روئے سخن بیٹے کی طرف تھا، گاہک کی طرف تھا اور ان سب لوگوں کی طرف بھی جو ہر وقت چیزیں مانگتے رہتے ہیں۔
"جس میں کشمش ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔
باپ نے غصہ ضبط کر لیا۔ بیٹے کو کچھ کہنے کی بجائے گاہک سے بولا۔
"دکان میں اور سب چیزیں ہیں۔ لیکن شیرمال نہیں ہیں۔۔۔ ویسے کیا کریں گے آپ شیرمال کا۔"
"ایک بچے کو دوں گا۔"
"یہ میرا بچہ جو آپ کے سامنے کھڑا ہے، سیب، نارنگی، مٹھائی لے کے اور نہ جانے کیا کیا خرافات مانگتا رہتا ہے لیکن اسے کچھ بھی پسند نہیں آتا۔"

"میرے بھتیجے کو تیز بخار ہے، وہ رو رہا ہے، بار بار یہی کہتا ہے کہ کشمش والا شیر مال لوں گا۔" گاہک بولا۔

"ابّا۔" ایرا کے لڑکے کو ایک ہی دُھن لگی ہوئی تھی۔ نہ اُسے گاہک کی پروا تھی نہ باپ کی۔

ایرا نے کوئی توجہ نہ دی۔ وہ گاہک کو دیکھنے لگا جس کا بھتیجا بیمار تھا۔ اُسے گاہک سے ہمدردی سی ہوگئی۔ اس کے دل میں کئی چیزوں کے لئے نفرت عود کر آئی۔ — بیماری، درد، تنہائی، کسی شے کی جستجو کے لاحاصل — اسے اپنے اوپر غصّہ آنے لگا کہ وطن سے ہزاروں میل دُور آکر دکان کھول لی۔ لیکن جب ایک بیمار بچے کے لئے شیر مال کی ضرورت ہوئی تو وہی اس کے پاس نہیں تھا۔

اس نے بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے بیٹے کو لیجئے، یہ اچھا بھلا ہے، تندرست ہے۔ اسے سیب چاہئے۔ نارنگی چاہئے۔ مٹھائی، کیلا اور نہ جانے کیا کیا چاہئے۔ دراصل کوئی نہیں جانتا کہ وہ چاہتا کیا ہے۔ سب دعائیں مانگتے رہتے ہیں خُدایا! ہمیں یہ عطا فرما، وہ عطا فرما۔ انسان ہر وقت غیر مطمئن ہے، کچھ نہ کچھ مانگتا ہی رہتا ہے۔ اس دائمی دہشت کا کیا علاج ہے؟ بیچارے خُدا نے ہمیں سبھی کچھ تو دے دیا — زندگی، روشنی، دھوپ، محبت کرنے والے عزیز و اقارب، گھر کی سکون بخش فضا — لیکن ناشکرا انسان اس بچے کی طرح غمگین ہے جسے بخار چڑھا ہُوا ہو۔ انسان بار بار شیر مال مانگتا ہے جس میں کشمش ہوں۔"

آیرا نے کاغذ کا تھیلا لیا اور اس میں چیزیں بھرنے لگا۔ "یہ شیریں نارنگیاں ہیں یہ خوشبودار سیب۔ یہ لذیذ کیلے۔ میری طرف سے اپنے بھتیجے کو دے دیجئے۔ شاید بہل جائے۔ قیمت ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو شیرمال نہ دے سکا۔"

"شکریہ۔ میں یہ تھیلا اُسے دے دوں گا مگر اس پہ تو جیسے بھوت سوار ہے۔ بار بار شیرمال مانگتا ہے۔ اگلی دُکان پہ نہ پوچھ لوں۔"

"پوچھ لیجئے۔ لیکن کشمش والے شیرمال اُن کے ہاں بھی نہیں ہیں۔ یہاں کسی کے ہاں نہیں ملیں گے۔"

گاہک چلا گیا۔ آیرا اپنے بیٹے کی طرف گھورتا رہا۔ پھر اپنی مادری زبان میں زور زور سے بولنے لگا۔ "دنیا بالکل پاگل ہو گئی ہے۔ ہمارے وطن کے پڑوس میں رُوس ہی کو دیکھو۔ لاکھوں بچے اور بڑے بھوکوں مر رہے ہیں۔ دن بھر ٹھٹھرے ہوئے، ننگے پاؤں، مارے مارے پھرتے ہیں۔ رات کو سونے کے لئے چھت کا سایہ تک میسر نہیں اور یہم ہیں کہ امریکہ میں گلچھرے اڑا رہے ہیں۔ بڑھیا جوتے اور قیمتی کپڑے پہن کر سیریں کرتے ہیں۔ کوئی پستول لے کر ہمارا تعاقب نہیں کرتا۔ کوئی بندوق لے کر ہمارے عزیزوں کو مارنے نہیں آتا۔ کوئی ہمارے مکان نہیں جلاتا۔ ہم موٹروں میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اچھے سے اچھا کھانے کو میسر ہے، زندگی کی سب آسائشیں موجود ہیں۔ لیکن ہم پھر بھی خوش نہیں ہیں۔ غمگین رہتے ہیں۔

سیب ـــ نارنگی ـــ مٹھائی ـــ کیلا ـــ بیٹے خدا کے لئے ایسی حرکتیں مت کیا کرو، ان سے ناشکری ٹپکتی ہے۔ میں کروں تو کوئی بات بھی ہے۔ لیکن تم میرے بیٹے ہو اور تمہیں مجھ سے بہتر ہونا چاہیئے۔ ہمیشہ خوش رہو۔ میں غمگین ہوں، تم تو خوش رہا کرو۔"

اس نے عقبی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ لڑکا چپ چاپ گھر چلا گیا۔

ایرا نے اُلی سس کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"ننھے تمہیں کیا چاہیئے؟"

"دلیہ۔"

"کس قسم کا دلیہ؟"

"ناشتے کا۔"

"دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک زود ہضم ہے اور دوسرا کچھ ثقیل لیکن منٹوں میں تیار ہو جاتا ہے۔ کون سا دوں؟"

"ناشتے کا دلیہ۔"

"زود ہضم یا دوسرا؟"

"جی دلیہ جو ناشتے پر کھایا جاتا ہے۔"

"اچھا زود ہضم لے جاؤ۔ آٹھ سینٹ ہوئے۔"

آلی ستس نے مٹھی کھول کر چمکدار سکہ نکالا۔ ریزگاری اور روپئے کا پیکیٹ لے کر دُکان سے باہر آگیا۔ آج کے واقعات ایک حد تک ناقابلِ فہم تھے۔ پہلے خوبانیوں کا درخت، پھر کشمش والا شیر مال، اس کے بعد مسٹر ایرا کی کسی اجنبی زبان میں تقریر — خیر جو کچھ بھی تھا، کافی دلچسپ تھا۔

آلی ستس نے چھلانگ لگائی اور گھر کی طرف بھاگنے لگا۔

# احساسِ غم

مسز میکائے ناشتے پر ہومر کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ گرم گرم دلیہ پیالے میں ڈالنے لگی کہ ہومر آگیا۔

اس نے بیٹے کی جھلک سی دیکھی لیکن بھانپ گئی کہ رات کے خواب کا اثر اب تک طاری ہے۔ ہومر کو یاد بھی نہ تھا کہ وہ خواب میں رویا تھا لیکن وہ کچھ بہشت زدہ سا تھا جیسے صدمے کے بعد انسان دیر تک سہما رہتا ہے۔

"آج تو بہت دیر ہوگئی، ساڑھے نو بج چکے ہیں۔ پتہ نہیں الارم کیوں نہیں بجا؟" ہومر نے کہا۔

"تم محنت بہت کرتے ہو، آرام بھی کیا کرو۔"

"جی نہیں، زیادہ محنت تو نہیں کرتا، کل اتوار ہے نا؟"

اس نے دعا پڑھی جو آج بے حد طویل معلوم ہوئی۔ دلیہ کھانے کے لئے چمچہ اٹھایا پھر کچھ سوچ کر رکھ دیا۔

"امی"

"ہاں، ہومر"

"رات کو میں آپ سے باتیں کئے بغیر ہی سو گیا۔ آپ نے کہا تھا کہ بعض اوقات باتیں کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ گھر آتے وقت میرا دل بھر آیا اور آنسو آگئے۔ آپ

تو جانتی ہی ہیں کہ بچپن میں بھی میں نہیں رویا۔ روتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ ایسی حس بچہ ہے مگر وہ بھی نہیں روتا۔ رونے کا فائدہ ہی کیا ہے۔ لیکن رات کو نہ جانے کیا ہوا میرے آنسو نہ تھمتے تھے۔ گھر آنے کی بجائے میں سڑکوں پہ پھرتا رہا۔ سکول کی طرف بھی گیا۔ اُس مکان کے قریب سے بھی گذرا جہاں شام کو پارٹی ہو رہی تھی اور میں تار دے کر آیا تھا۔ امّی آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ تار کس قسم کا تھا۔ دیر تک یونہی آوارہ پھرتا رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس قصبے کے گلی کوچوں، عمارتوں اور باشندوں کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ مجھے ان پر بہت ترس آیا، بڑی دعائیں مانگیں کہ انہیں کوئی ضرر نہ پہنچے — میرا خیال تھا کہ بڑا ہو کر کوئی نہیں روتا۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ انسان رونا ہی تب ہے جب اُسے سمجھ آ جائے —"

اس کی آواز بھرا گئی — "امّی جب سمجھ آتی ہے تو جی بہت بُرا ہوتا ہے۔ چاروں طرف اتنی بُرائیاں کیوں ہیں؟ اتنا حزن کیوں ہے؟"

"تم خود جان لوگے بیٹے — ہر شخص اپنا راستہ خود تلاش کرتا ہے۔ غم خواہ حسین ہو یا کریہہ — محسوس کرنے والے کی روح کا عکس ہے۔ خوشنما، مسرور یا مغموم و پُر درد چیزیں — فی الحقیقت کوئی وجود نہیں رکھتیں۔ بلکہ یہ انسان کے محسوسات کا جز ہیں اور ہر انسان بذاتِ خود پوری کائنات ہے۔ اس کے گرد دُنیا گھومتی ہے۔ وہ چاہے تو محبت دنیا کو محیط کر لے۔ وہ چاہے تو نفرت، بغض و عناد کی بارش ہونے لگے۔ خود انسان ہی دنیا میں تغیر لاتا ہے —"

مسز میکائے گھر کا کام کر رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ دوسرے کمرے میں بھی چلی جاتی۔ لیکن ماں بیٹے کی گفتگو جاری رہی۔

"پتہ نہیں میں کیوں رویا۔ ایسے خیالات کبھی میرے دل میں نہیں آئے۔ اور جب رو چکا تو اتنی دیر تک خاموش کیوں رہا۔ کسی سے بات نہیں کی۔"

"تمہیں ترس آ گیا اور تم رو دیئے۔ یہ ترس کسی خاص شخص کے رنج و محن پر نہیں آیا۔ یہ سب کے لئے تھا۔ کائنات کی ہر شے کے لئے۔ انسان کے دل میں ترس نہ ہو تو وہ انسان نہیں۔ اسی جذبے سے وہ مرہم پیدا ہوتا ہے جس سے زندگی کے زخم مندمل ہوتے ہیں۔ انسان تبھی روتا ہے جب اُسے کائنات کے دکھ درد کا احساس ہو۔ اگر یہ احساس معدوم ہے تو پھر وہ قدموں کی خاک سے بھی حقیر ہے۔ خاک سے کونپلیں پھوٹتی ہیں، پھول کھلتے ہیں۔ لیکن بے ترس انسان کی روح بالکل بنجر ہے جہاں روئیدگی مفقود ہے۔ جہاں صرف غرور و انا پرورش پاتے ہیں جو تباہی کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔"

ماں ناشتے کے انتظام میں مصروف تھی۔ ہومر کے سامنے چیزیں رکھ رہی تھی۔

"بیٹے! یہ احساسِ غم ہمیشہ رہے گا۔ لیکن کبھی مایوس مت ہونا، نیک نفس دوسروں کا غم بٹاتے ہیں۔ برداشت کی عادت ڈالتے ہیں۔ لیکن ایک احمق غم کو غم تبھی سمجھتا ہے، اگر وہ اس کی ذات سے متعلق ہو۔ ایک بدکن ہر جگہ غم تقسیم کرتا ہے دوسروں کو غمگین دیکھ کر تسکین محسوس کرتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو کوئی بھی قصوروار

نہیں ۔ اچھے، بُرے، کمینے، سب بے قصور ہیں، کیونکہ یہ خود یہاں نہیں آئے۔ بُرے کو اپنی بُرائیوں کا احساس نہیں اس لئے وہ معصوم ہے۔ اُسے ہمیشہ معاف کر دینا چاہئے اس کے ساتھ شفقت سے پیش آنا چاہئے کیونکہ وہ اسی کائنات کا ایک حصّہ ہے۔
انسانی فطرت میں اچھائی بُرائی، نیکی بدی اس طرح ملی جلی ہیں کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم سب ایک دوسرے کے کردار و افعال کے ذمّہ دار ہیں۔
کسان کی دُعا میری دُعا ہے، قاتل کا جُرم میرا جرم ہے ــــ بیٹے تم اس لئے روئے کہ تم ان باتوں کو سمجھنے لگے ہو ــــ"
ہتومر نے دلیے میں دودھ ڈالا اور کھانے لگا۔

# وہ سب غلطیاں . . . .

آلی سس کا گہرا دوست لائینل اسے ملنے آیا۔ دونوں چہل قدمی کر رہے تھے۔ اُن کی پختہ دوستی میں کسی کو شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ حالانکہ دونوں کی عمروں میں چھ سال کا فرق تھا۔

"مسز میکالے۔ آلی سس کو اپنے ساتھ لائبریری لے جاؤں؟" لائینل نے پوچھا۔

"ضرور لے جاؤ — لیکن آج تم اکیلے ہو، دوسرے لڑکے کہاں گئے؟"

"وہ مجھے ساتھ نہیں لے جاتے، شاید میں انہیں پسند نہیں۔ مسز میکالے میں ضرور احمق سا لگتا ہوں گا۔"

"نہیں تو — میں تو تمہیں بڑا اچھا لڑکا سمجھتی ہوں۔ اپنے ساتھیوں سے مت خفا ہوا کرو۔ تم سب اچھے ہو—"

"میں خفا تو نہیں ہوا۔ نہ انھیں ناپسند کرتا ہوں لیکن مجھ سے ذرا سی غلطی ہو جائے تو سب پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کے تیور بدلتے ہی میں خود دوڑ جاتا ہوں۔ بعض اوقات تو غلطی کا پتہ تک نہیں چلتا اور منٹوں میں دوڑنا پڑتا ہے۔ مصیبت تو یہ ہے کہ کوئی کچھ سکھاتا ہی نہیں۔ نکتہ چینی کرنے کو سب تیار رہتے ہیں۔ بس میرا تو ایک دوست ہے ---- آلی سس۔ یہ کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک دن وہ ضرور

پچھتائیں گے اور معافی مانگیں گے۔ میں فوراً معاف کر دوں گا۔ پھر انہیں دُگنا افسوس ہوگا — مسز میکالے پانی پیوں گا —"

مسز میکالے نے پانی کا گلاس دیا جسے لائنل غٹ غٹ پی گیا۔

"تم پیو گے اُلی سس؟" اس نے اپنے دوست سے پوچھا۔

"ہاں۔"

مسز میکالے نے اُسے بھی گلاس دیا۔

"اچھا اب ہم لائبریری جائیں۔"

دونوں دوست چلے گئے

ہومر چھوٹے بھائی کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"امی، الی سس بھائی مارکس پر گیا ہے —"

"کیسے؟"

"یونہی مجھے لگتا ہے کہ بھائی مارکس بچپن میں الی سس کی طرح ہوں گے — ہر وقت کا تجسس، ہر چیز میں دلچسپی، بظاہر خاموش لیکن دل ہی دل میں سوچتے رہنا۔ ننھے کو سب اچھے لگتے ہیں۔ اسے بھی ہر کوئی اپنے جیسا لگتا ہے۔ ابھی باتیں کرنی نہیں سیکھا لیکن چہرے کے اظہار سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ بھائی مارکس بھی ایسے ہی تھے۔"

"بھائیوں میں مشابہت تو ہمیشہ ہوتی ہے لیکن مارکس اور طرح کا تھا —"

"اُلی سس کسی روز بہت بڑا آدمی بنے گا۔"

"شاید دُنیا کی نگاہوں میں بڑا آدمی نہ بنے لیکن روشن مستقبل کے آثار ابھی سے ظاہر ہیں۔"

"یہ خوبیاں مارکس میں بھی تو ہوں گی۔"

"یوں تو تم سب آپس میں ملتے جلتے ہو لیکن مارکس میں اتنی چستی نہیں تھی جتنی تم میں ہے۔ وہ کچھ تبلا ضرور تھا۔ لیکن اس قدر نہیں۔ وہ فطرتاً شرمیلا ہے۔ اُلی سس کی طرح اُسے دوسروں میں اتنی دلچسپی نہیں تھی۔ اُسے تنہائی پسند تھی، زیادہ وقت مطالعے اور موسیقی میں صرف کیا کرتا یا اکیلا سیر کو نکل جاتا۔"

"ویسے ننھے کو بھائی مارکس بہت پسند ہیں۔"

"اُسے تو سب پسند ہیں، اُلی سس بڑا انسان دوست ہے۔"

"لیکن اسے مارکس سے تو خاص لگاؤ ہے۔ شاید اس لئے کہ مارکس میں ابھی تک بچپنا ہے۔ فوج میں چلے گئے تو کیا ہوا۔ اُلی سس کو ایسی طبیعت کے انسان بہت پسند ہیں۔ کاش کہ میرا دماغ اُلی سس کے بچپنے جیسا ہو سکتا۔ اس کی کئی خوبیوں کو تو میں بہت سراہتا ہوں۔ اس نے کل کے واقعے کا کوئی ذکر کیا؟"

"ایک لفظ بھی تو نہیں کہا۔ آگی نے آکر سارا قصہ سنایا۔"

"گھر پہنچ کر اس نے کچھ تو کہا ہوگا۔"

"نہیں کچھ بھی نہیں، آکر موسیقی سنتا رہا۔ کھانے کے بعد جب اسے بستر پر لٹایا

تو سونے سے پہلے اس نے ایک نام لیا ۔ موٹا کرتس ۔ ہم نے یہ نام پہلے نہیں سُنا تھا ۔ آگی نے سب کچھ بتایا ۔"

"موٹے کرتس نے آلی سٹس کو پھندے سے نکالا ۔ غریب کو بیس ڈالر بھی دینے پڑے کیونکہ پھندہ ٹوٹ گیا تھا ۔ وہ پھندہ بھی بس برائے نام ہی ہے ۔ میرے خیال میں تو آلی سٹس کے علاوہ اور کسی کو نہیں پھانس سکتا ۔ کون سا جانور ہے جو ایسی بے ہنگم مشین کے قریب پھٹکے گا ۔ امّی آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آلی سٹس کس پر گیا ہے ۔"

"اپنے ابّا پر ۔"

"آپ نے ابّا کا بچپن دیکھا تھا ؟"

"کیسے دیکھ سکتی تھی وہ مجھ سے سات برس بڑے تھے ۔ نتھا ہو بہو ان جیسا ہے ۔" مسرت سے مسز میکالے کی آنکھیں چمکنے لگیں ۔

"میں بے حد خوش نصیب ہوں ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے بچّوں میں انسانیت کا مادہ ہے ۔ اگر وہ نرے بیٹے ہی ہوتے تو میں اپنے آپ کو اتنی خوش قسمت نہ سمجھتی ۔ یہ انسانیت کا جذبہ تھا جس نے تمہیں کل رات رُلایا ۔ تم دنیا کے کروڑہا باشندوں میں سے ایک ہو ۔ زندگی کا دلچسپ تجربہ تمہارے لئے ابھی ابھی شروع ہوا ہے ۔ زندگی میں اچھائی بھی ہے بُرائی بھی ، حُسن ، بدصورتی ، ظلم ، سخاوت ۔ سب ملے جُلے ہیں ۔ ان سب عناصر سے زندگی بنی ہے ۔ تمہیں پتہ ہے تم نیند میں بھی روتے تھے ۔"

"اچھا ۔ ؟"

ایم۔اے۔انصاری بک بائنڈنگ ہاؤس
اینڈ پرنٹنگ ایجنٹ
کورنگی نمبر 4 کراچی

"ہاں، رونے سے الیسٹس جاگ گیا۔ اس نے مجھے اٹھایا۔ میں نے خود تمہیں روتے سنا۔ لیکن یہ آواز تمہاری نہیں تھی — میں نے کئی مرتبہ تمہیں پہلے روتے سنا ہے۔ لیکن یہ گریہ تمہارا نہ تھا۔ یہ مختلف تھا۔ یہ تو ساری دنیا کا گریہ تھا۔ تم غمِ زندگی سے شناسا ہو چکے ہو۔ اب ایسا دور شروع ہوگا جس میں تم غلطیاں کرو گے، وہ سب غلطیاں جو سارے انسان کرتے ہیں۔ تم نوعمر ہو، سُن لو — جو غلطیاں تم سے سرزد ہوں ان کے اعتراف سے کبھی مت ڈرنا۔ اپنے آپ پہ بھروسہ رکھو، ہر کام صحیح طریقے سے کرو۔ اگر ناکام رہے یا دوسروں کے جھانسے میں آ گئے تو ہار کبھی مت ماننا۔ گر کر اٹھنا مردوں کا شیوہ ہے۔ زندگی میں قہقہے بھی ہیں اور آنسو بھی، لیکن غم میں مسرت کی آمیزش ہے اور آہوں میں مسکراہٹوں کی رمق ہے۔ کمینگی، شرارت اور تنگ نظری سے ہمیشہ بچنا۔ خدا نے چاہا تو تمہاری بلند خیالی اور شرافت مشعلِ راہ کا کام دیں گی۔"

مسز مینکلے بیٹے کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بولی — "میں مقید صبح و شام نصیحتیں کرتی رہتی ہوں — بُرا تو نہیں مانتے؟"

"ہرگز نہیں، امّی!" ہومر ناشتہ ختم کرکے کھڑکی سے جھانکنے لگا۔ نیچے آگی اور اس کے دوست فٹ بال کھیل رہے تھے۔

"تمہاری ٹانگ میں چوٹ تو نہیں لگی؟"

"جی نہیں، یونہی موچ آگئی تھی۔ امّی آپ بہت اچھی ہیں، اتنی اچھی امّی تو کسی کی بھی نہیں ہوں گی۔"

وہ کھیل میں محو ہو گیا ـــ آگی گول کرنے جا رہا ہے ـــ گول ہو گیا ـــ میرے لئے تو سب کھیل ختم ہو چکے ہیں ـــ مجھے تار گھر پہنچنا ہے ـــ

"امی میں بھول ہی گیا۔ آپ کے بھیجے ہوئے کھانے میں سے مسٹر گروگن نے ایک سموسہ کھایا تھا۔ وہ آپ کا شکریہ ادا کرتے تھے ـ"

ہومر تار گھر چلا گیا۔

ماں کچھ دیر کھڑی سڑک کی طرف دیکھتی رہی۔ مڑی تو یوں معلوم ہوا جیسے اس کا مرحوم خاوند سامنے کھڑا ہے۔

"کیٹی ـ"

"جی ـ"

"مارکس بہت جلد میرے پاس آنے والا ہے ـ کیٹی"

"مجھے پتہ ہے ـــ میتھیو"

# لائبریری

لائنل اور اُلی سس لائبریری جا رہے تھے کہ چوک کے گرجے سے جنازہ نکلتا دکھائی دیا۔ تابوت کے ساتھ ساتھ نوحہ خواں چل رہے تھے۔

"اُلی سس، چلو جنازہ دیکھیں کسی کا انتقال ہُوا ہے۔"

وہ اُلی سس کا ہاتھ پکڑ کر بھاگا۔ دونوں تابوت کے قریب پہنچ گئے۔

"یہ تابوت ہے۔ اس میں میّت ہوتی ہے۔ پتہ نہیں کس کی ہے۔ یہ پھولوں کے گلدستے ہیں۔ جب انتقال ہوتا ہے تو لوگ پھول چڑھاتے ہیں۔ یہ سب نوحہ خواں ہیں۔ غالباً مرنے والے کے دوست ہوں گے۔" لائنل اپنے دوست کو سمجھا رہا تھا۔

"جی، کن کا انتقال ہُوا ہے؟" لائنل نے ایک شخص سے پوچھا جو رومال سے آنسو پونچھ رہا تھا۔

"بیچارہ جونی میری ویدر چل بسا۔"

لائنل نے اُلی سس کے کان میں دوہرایا۔ "بیچارہ جونی میری ویدر چل بسا"

"مرحوم کی عمر ستّر برس تھی۔" اس نے بتایا۔

لائنل نے اپنے دوست کے کان میں کہا۔ "مرحوم کی عمر ستّر برس تھی۔"

"تیس سال سے خوانچہ لگاتا تھا۔ مکئی کے بھُنے ہوئے دانے بیچتا تھا۔"

لائنل نے دوہرایا۔ "تیس سال سے خوانچہ لگاتا تھا۔" پھر اچانک چلّا کر

بولا۔" وہی تو نہیں جو چوک میں گرم گرم دانے بیچتا تھا۔"؟

"ہاں وہی ۔۔۔ آج بے چارہ اپنے خالق سے جا ملا۔"

"اُسے تو میں جانتا تھا، اکثر اس سے دانے خریدتا تھا، کیسے انتقال ہوا؟"

"بیچارہ سوتے سوتے چل بسا۔ اپنے خالق کے پاس چلا گیا۔"

لائینل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"جونی میرا واقف تھا۔ میں پہلے اس کا نام نہیں جانتا تھا۔ لیکن وہ میرا دوست تھا۔"

اس نے اُلی سس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔"میرا دوست چل بسا۔ اپنے مالک سے جا ملا۔

جنازہ آگے نکل گیا اور گرجے کے سامنے صرف دو بچے رہ گئے۔

لائینل کو اپنا دوست یاد آ رہا تھا جو اُسے بھنے ہوئے مزیدار دانے دیا کرتا۔ اس کے قدم بوجھل ہو گئے۔ وہ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔

دونوں لائبریری کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ اس سادہ مگر صاف ستھری عمارت میں داخل ہوئے تو چاروں طرف دہشت انگیز سکوت طاری تھا۔ دیواریں، فرش، الماریاں، میزیں ۔۔۔ ہر چیز پہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ بوڑھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ چند مقامی فلاسفر ضخیم کتابیں لئے بیٹھے تھے۔ تین چار طلباء ریسرچ میں مشغول تھے۔ مگر یہ سب علم کے متلاشی خاموش تھے۔ لائینل ماحول سے اتنا متاثر ہوا کہ منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ پنجوں کے بل چل رہا تھا۔ اُس پہ مطالعہ کرنے والوں سے زیادہ کتابوں

کا رُعب پڑا۔ اُلی سس بھی بڑی احتیاط سے قدم اُٹھاتا کہ آہٹ نہ ہو۔ لائینل کتابوں کو دیکھ رہا تھا اور اُلی سس پڑھنے والوں کے چہرے۔

لائینل ان پڑھ تھا۔ پھر بھی کتابوں کا شوق اُسے کھینچ لایا۔ وہ سرگوشیوں میں اپنے دوست کو بتا رہا تھا۔ "دیکھو تو سہی ۔۔۔ کتنی ساری کتابیں ہیں۔ یہ سُرخ کتاب ہے۔ یہ سبز اور وہ نیلی ۔۔۔"

بوڑھی لائبریرین نے دیکھا کہ دو بچے مُنہ اٹھائے اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔ سرگوشی کرنے کی بجائے وہ زور زور سے باتیں کرنے لگی۔ لائبریری کی اس طرح توہین ہوتے دیکھ کر لائینل کو بہت افسوس ہُوا۔

"لڑکو کیا چاہیئے؟" بوڑھی نے پوچھا۔

"جی کتابیں ۔۔۔" لائینل نے جواب دیا۔

"کون سی کتاب؟"

"سب کی سب ۔۔۔"

"یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ایک کارڈ پہ چار کتابوں سے زیادہ نہیں دی جا سکتیں۔"

"میں کتابیں مانگنے تو نہیں آیا۔"

"تو پھر کس لئے آئے ہو؟"

"کتابیں دیکھنے آیا ہوں۔"

"کتابیں پڑھنے کے لئے ہوتی ہیں۔ دُور سے دیکھنے کے لئے نہیں۔"

"دیکھنے کی اجازت نہیں ہے کیا؟"

"ممانعت بھی نہیں ہے - اور یہ کون ہے؟

"یہ اَلی سَس ہے - غریب پڑھ نہیں سکتا -"

"اور تم — ؟"

"میں اَن پڑھ ہوں، لیکن یہ بھی اَن پڑھ ہے، اسی لئے ہماری دوستی قائم ہے - میرے کئی ساتھی پڑھے لکھے ہیں - لیکن دوست صرف یہی ایک ہے —"

بوڑھی نے غور سے دونوں کو دیکھا - "چلو کیا ہوا جو اَن پڑھ ہو - میں پڑھی لکھی ہوں، گذشتہ ساٹھ سال سے کتابیں پڑھ رہی ہوں - لیکن کوئی خاص فرق نہیں پڑا - کتابیں دیکھنی چاہتے ہو، جاؤ دیکھ لو -"

"جی بہت اچھا —"

دونوں دوست ایسی دنیا میں پہنچ گئے جو بے حد پُراسرار تھی -

"اَلی سَس، دیکھ یہ سب کتابیں ہیں — پتہ نہیں ان میں کیا کچھ لکھا ہے - کیسے کیسے خزانے ان میں پوشیدہ ہیں - یہ سبز رنگ کی کتاب کتنی خوشنما ہے - نئی چمکیلی اور حسین"

اس نے ڈرتے ڈرتے کتاب اٹھائی اور صفحے پلٹنے لگا -

"دیکھا — اس میں بہت کچھ لکھا ہوا ہے - یہ الف ہے، یہ دوسرا الف ہے - یہ کوئی اور حرف ہے - یہ بھی ضرور کوئی حرف ہوگا — سب کے سب مختلف ہیں -"

لائینل نے لمبا سانس لیا - "کبھی مجھے بھی پڑھنا آئے گا؟ بڑا جی چاہتا ہے کہ

یہ حروف، الفاظ، فقرے پڑھوں۔ یہ تصویر دیکھی — کتنی حسین لڑکی ہے —"

وہ ورق گردانی کرتا رہا۔ "ساری کتاب میں فقرے ہی فقرے ہیں، ضرور ان کا کوئی مطلب ہوگا — خوب ہے یہ جگہ، جدھر دیکھو کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں لیکن پڑھنا نہ آتا ہو تو علم و ادب کا یہ خزانہ نرا گدھے کا بوجھ ہے۔ ہم دونوں ان پڑھ ہیں۔ چلو گھر چلیں —"

اُس نے کتاب واپس رکھ دی۔ دونوں دوست پنجوں کے بل چلتے ہوئے لائبریری سے نکل آئے۔

اُلی سس خوش تھا کہ آج ایک نئی چیز دیکھ لی۔

# لیکچر کلب میں

لیکچر کلب کے سامنے ہومر نے سائیکل روک لی۔ سہ پہر کے ڈھائی بجے تھے۔ لیکچر شروع ہونے والا تھا۔ ادھیڑ عمر کی فربہ خواتین، جن میں زیادہ تعداد ماؤں کی تھی، کلب میں داخل ہو رہی تھیں۔ ہومر نے لفافہ نکال کر پڑھا — روزالی سمز پیبا ڈی، لیکچر کلب، اتھاکا۔

کلب کی صدر جو پچاس کے لگ بھگ کی بھاری بھرکم خاتون تھیں، سٹیج پر کھڑی ہوئی کسی مقرر کا تعارف کرا رہی تھیں۔ لیکن مقرر کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ بار بار وہ میز پر مکہ مار کر سامعین کو خاموش رہنے کی تلقین کرتیں۔

ہومر کو جھانکتے دیکھ کر ایک خاتون آ گئیں۔

"روزالی سمز پیبا ڈی کے لئے تار لایا ہوں۔ ہدایات کے مطابق لفافہ کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا۔"

"پیبا ڈی نہیں بیٹی۔" اس نے تصحیح کی۔ "وہ تار کا انتظار کر رہی ہیں جب وہ سٹیج پر آ جائیں تب دینا۔"

"وہ کب آئیں گی؟"

"آنے والی ہیں۔ تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ جب آئیں تو زور سے کہنا — روزالی سمز بیٹی کا تار آیا ہے — کہیں پیبا ڈی نہ کہہ دینا۔"

"بہت اچھا۔"

ہومر کرسی پر بیٹھ گیا۔

صدر کی تعارفی تقریر جاری تھی ۔ "سامعین، ایسے مواقع بار بار نہیں آتے آج ہمارے ہاں روزالی سمز پیٹی تشریف لائی ہیں۔"

صدر کو تالیوں کا انتظار تھا اس لئے خاموش ہوگئی۔ جب تالیاں بج چکیں تو بولی۔ "زمانۂ حاضرہ کی سب سے ممتاز خاتون کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ ان کا نام اور کارنامے بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ شاید آپ جاننا چاہیں کہ انہیں یہ مقبولیت کیونکر حاصل ہے ۔ یہ بڑی طویل داستان ہے جو ہم عورتوں کے لئے بلا کی جاذبیت رکھتی ہے۔ اس میں کیا نہیں ہے ۔ حسن و رومان، رنگ آمیزی، پُرخطر اور دہلا دینے والے واقعات ۔ سبھی کچھ تو ہے۔ پھر بھی سمز پیٹی ایک سادہ طبیعت برطانوی حسینہ ہیں۔ اس خاموش سی لڑکی میں فولاد کی سی سختی اور اولوالعزم مردوں کی ہمت ہے۔ بلکہ وہ بیشتر مردوں سے کہیں حوصلہ مند ہیں۔"

کسی عورت کے کارنامے بیان کرتے ہوئے صدر کے لہجے میں مایوسی اور حزن کی رمق آگئی تھی ۔ "اور ہم عورتیں بیچاری کیا ہیں؟ کبھی گھر سے قدم باہر نہیں رکھا، بچوں کی پرورش میں عمر گذر گئی۔ لیکن سمز پیٹی ہمارے خوابوں کی تعبیر ہیں ۔ ہم گھر بیٹھ مظلوم عورتوں کے خواب، خواب جو ہمیشہ ادھورے ہی رہے۔ ہمیں ان کی شاندار زندگی پر رشک آتا ہے۔ کاش کہ ہم ایسی زندگی بسر کر سکتیں، لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا۔ دنیا میں سمز پیٹی صرف ایک دفعہ پیدا ہوتی ہے۔"

صدر نے باری باری سب کے چہروں کو دیکھا۔

"فخرِ نسواں مسز پیٹی کے کارنامے بیان کرنے کے لیئے ایک عمر چاہیئے۔ یہ فہرست بیحد طویل ہے جو کارہائے نمایاں انھوں نے سرانجام دیئے ہیں وہ ناقابلِ یقین ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنی مصیبتوں اور آفتوں سے کوئی کیونکر بچ کر نکل سکتا ہے۔ مگر مسز پیٹی اب تک زندہ ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک دن رومان سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ جہاں جاتی ہیں مناسب ماحول اور حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی تشریف آوری سے انھاکا جیسی گمنام جگہ کے بھی تذکرے ہونے لگیں گے۔ اب میں آپ کی سوانح عمری مختصراً بیان کروں گی — ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک آپ محاذِ جنگ پر ایمبولینس چلاتی رہیں۔ سنہ ۱۷ء سے سنہ ۱۸ء تک آپ نے ایک لڑکی کے ہمراہ دُنیا کی سیر کی۔ آپ کو پیدل چلنا پڑا، جھونپڑوں میں قیام کیا، کشتیوں میں گھوڑوں پر، بیل گاڑیوں سے راستہ طے کیا۔ دُنیا کے ستائیس ممالک دیکھے۔ جب آپ چین میں کانٹن سے ہانگ کو جا رہی تھیں تو فوج نے پکڑ لیا۔ لیکن برسات آئی تو آپ دریائے سیان میں کود کر فرار ہو گئیں۔ سنہ ۱۹ء میں آپ شمالی افریقہ پہنچیں۔ مراکش سے حبش کا سفر طے کیا۔ سنہ ۲۱ء میں شام میں خفیہ پولیس میں ملازمت کی۔ دمشق میں شاہ فیصل سے ملاقات ہوئی جنھوں نے کفرہ کی سیاحت کا انتظام کرایا۔ یہ جگہ صحرائے لیبیا کے وسط میں ہے اور سنوسی قوم کا پایۂ تخت ہے۔ آپ نے مصری خاتون کے بھیس میں اونٹ پر ایک ہزار میل کی مسافت طے کی۔ آپ کے ہمراہ چند مقامی عورتیں تھیں جو انھیں

انگریزی کا ایک لفظ نہ آتا تھا۔ آپ کا یہ سفر تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہاں مغرب کے کسی سیاح کا قدم نہیں پڑا تھا۔"

ہتومرؔ دعائیں مانگ رہا تھا کہ کسی طرح تقریر ختم ہو۔

"سنہ ۲۳ میں مسز ہیٹی نے بیس ٹن کی کشتی لے کر عرب جہازرانوں کے ساتھ بحیرۂ اسود کی سیر کی اور حیرآن کی ممنوعہ بندرگاہ پر اتریں۔ آپ عرب عورتوں کے بھیس میں تھیں۔ سنہ ۲۵ کوہ پیمائی میں گزرا۔ آپ نے کوہِ اطلس کی چوٹیاں سر کیں۔ سنہ ۲۶ میں ایک ہزار ایک سو میل پیدل چل کر حبش عبور کیا — غالباً یہ دنیا کا ریکارڈ ہے — کوئی ہمیں تو دیکھے، ذرا پیدل چلنا پڑے تو تھک جاتے ہیں — کاش کہ ہم ہر وقت پیدل چلا کریں —"

اس پر حاضرین میں سے اکثر نے ناک بھوں چڑھائی۔

صدر نے جلدی سے کاغذ کے پرزے کو پڑھا — "اور سنہ ۲۸ میں آپ لندن کے ایک اخبار کی نامہ نگار خصوصی کی حیثیت سے بلقان میں تھیں اور مقامی عورتوں جیسا لباس پہنتی تھیں —"

ہتومرؔ اکتا چکا تھا۔ واپس تار گھر پہنچنے کی جلدی تھی اور ساتھ یہ جھنجھلاہٹ کہ یہ عورت بار بار بھیس کیوں بدلتی تھی۔

"سنہ ۳۰ میں آپ نے ترکی کی سیر کی۔ مصطفےٰ کمال سے ملاقات ہوئی۔ وہاں آپ ترک خواتین کے بھیس میں تھیں۔ اس کے بعد آپ نے نو ہزار میل کا سفر گھوڑے پر

طے کر کے مشرقِ قریب کی سیاحت کی۔ آذربائیجان میں آپ نے اشتراکی فوج اور کوہِ قاف کے دیہاتیوں کی لڑائی ملاحظہ فرمائی۔ ۱۹۳۱ء میں آپ جنوبی امریکہ میں برازیل کے گھنے جنگلوں کا کھوج لگانے میں مصروف رہیں۔ آپ کے ہمراہی مقامی لوگ تھے ان میں کوئی میکس بھی تھا۔ سمز پیٹی کے کارنامے گننے لگوں تو صبح ہو جائے ــــ اور پھر یہ مجمع انھیں دیکھنے آیا ہے نہ کہ مجھے ــ"

اس پر سب مسکرانے لگے۔ چند قہقہے بھی سنائی دیئے۔

"سامعین، ایک یکتائے روزگار ہستی کا تعارف کرانے میں مجھے فخر محسوس ہوتا ہے ــــ آیئے روزالی سمز پیٹی ــ سب آپ کے منتظر ہیں ــ"

بڑے زور سے تالیاں بجیں۔ صدر سٹیج کے اس گوشے کی طرف بڑھیں جہاں سے سمز پیٹی کو آنا تھا۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

تالیوں کا شور بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ حاضرین کی ہتھیلیاں دُکھنے لگیں۔ آخر وہ عظیم خاتون سٹیج پر آئیں ــــ

ہوسمر کو جو چیز نظر آئی، وہ عورت سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ اسے عورت کہنا سراسر زیادتی تھی۔ روزالی سمز پیٹی ایک چمرخ قسم کی سوکھی ہوئی طویل قامت چیز تھی جس کے خدوخال مردانہ تھے اور چہرہ کسی قسم کے اظہار سے مبرّا تھا۔

تار دینے کا وقت آ پہنچا تھا، ہوسمر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سٹیج پر چلے جاؤ" خاتون جس نے ہدایات دی تھیں، بولی۔

ہومر نے سٹیج پہ پہنچ کر زور سے کہا۔ "روزالی سمز پیٹی کا تار آیا ہے۔"
"اچھا میرا تار ہے۔ سامعین مجھے معاف فرمائیے۔" اس نے دستخط کئے اور ہومر کی ہتھیلی میں چونی تھما دی۔

ہومر کو بہت برا لگا۔ لیکن لیکچر کلب میں اس نے ایسے ہونق اور مضحکہ انگیز نظارے دیکھ لئے تھے کہ تار دیتے ہی بھاگ گیا۔ تقریر شروع ہو چکی تھی۔

"۱۹۳۹ء میں جنگ شروع ہونے سے ذرا پہلے میں ایک خفیہ مشن کے سلسلے میں بویریا میں تھی۔ میں نے دیہاتی لڑکی کا بھیس بدل رکھا تھا۔"

ہومر نے سڑک کے کنارے ہنری ولکنسن کو بیٹھے دیکھا جو تیس سال پہلے ریل کے حادثے میں دونوں ٹانگیں کھو چکا تھا۔ بیچارہ ٹوپی سامنے رکھ کر پنسلیں بیچا کرتا۔ ہومر نے کبھی اس کی ٹوپی میں کچھ ڈالا نہ اس سے پنسل خریدی۔ سمز پیٹی کی چونی اسے پریشان کر رہی تھی۔ چنانچہ ولکنسن کی ٹوپی میں چونی ڈال کر سائیکل پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دور گیا ہوگا کہ اپنی اس حرکت پہ ندامت ہونے لگی۔ واپس آیا۔ سائیکل ایک طرف پھینکی اور جیب سے اٹھنی نکال کر اپاہج کی ٹوپی میں ڈال دی۔

# مقدّس کمرے

آدھے گھنٹے کے بعد ہومر نے ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے سائیکل روکی
دروازے پر لکھا تھا ___ مقدس کمرے ___

بل کھاتے ہوئے زینے کی سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچا۔ ایک بڑے سارے کمرے میں میز رکھی تھی۔ قریب ہی دیوار میں گھنٹی کا بٹن لگا ہوا تھا۔ کمروں کے دروازے بند تھے۔

اس نے جیب سے لفافہ نکال کر پتہ پڑھا ___ تار ڈولی ہاتھورن کے نام تھا۔
کسی کمرے میں گراموفون بج رہا تھا اور دو عورتیں اور ایک مرد باتیں کر رہے تھے۔
ایک دروازہ کھلا۔ ادھیڑ عمر کا مرد نکلا اور دوسرے دروازے میں کسی عورت سے باتیں کرنے لگا۔ ہومر کو عورت کا سر نظر آ رہا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا اور مرد سیڑھیاں اترنے لگا۔

ہومر نے گھنٹی بجائی۔ دروازہ جو ابھی بند ہوا تھا، کھلا اور نسوانی آواز سنائی دی ___

"ابھی آئی ___"

ایک نو عمر حسینہ باہر نکلی جس کے خد و خال بیحد دلکش تھے۔ یہ لڑکی میری بائیس سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔

"ڈولی ہاتھ رن کا تار آیا ہے۔"

"وہ باہر گئی ہوئی ہیں۔ میں دستخط کر دوں؟"

"کر دیجئے۔"

وہ ہومر کو عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ذرا ٹھہرنا۔"

یہ کہہ کر وہ دوڑتی ہوئی ایک اور کمرے میں چلی گئی۔

اتنے میں ایک اور شخص زینہ عبور کر کے ہومر کے سامنے آ کھڑا ہوا اور گھورنے لگا۔

لڑکی باہر نکلی اور ہومر کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ یہ کمرہ عجیب سا تھا۔ اس میں ناخوشگوار سی بو پھیلی تھی۔ اس بو سے ہومر نا آشنا تھا۔ لڑکی نے اسے ایک لفافہ دیا۔ "یہ بے حد ضروری ہے۔ اس میں نوٹ ہیں۔ میری بہن کو روپے کی سخت ضرورت ہے۔ میرے پاس ٹکٹ نہیں تھے۔ ورنہ لگا دیتی۔ اسے ہوائی ڈاک کی رجسٹری سے بھیج دینا۔"

وہ خاموش ہو گئی تاکہ اتنی دیر میں ہومر معاملے کی اہمیت کو سمجھ لے۔

"اسے ڈاک میں ڈال دو گے نا؟"

نہ جانے کیوں ہومر کی طبیعت منغض ہو گئی۔ جس روز وہ میکسکن عورت کو بیٹے کی موت کی خبر سنانے گیا تھا تب بھی بو یونہی محسوس ہوا تھا۔

"بہت اچھا، میں ابھی ڈاکخانے پہنچ کر ہوائی ڈاک سے رجسٹری کرا دوں گا۔ سیدھا وہیں جا رہا ہوں۔"

"یہ لو ڈالر۔ خط کو حفاظت سے ٹوپی میں رکھ لو، کسی کو دکھانا مت اور ذکر بھی مت کرنا۔"

"نہیں کروں گا۔ ابھی خط ڈال کر ریزگاری واپس لاتا ہوں۔"

"نہیں یہاں پھر مت آنا، جلدی سے چلے جاؤ، کوئی دیکھ نہ لے۔"

"بہت اچھا۔"

ہومر سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ لڑکی کسی مرد سے باتیں کرنے لگی۔

زینے پر ایک ادھیڑ عمر کی عورت سے آمنا سامنا ہوا۔ اس نے بڑھیا کپڑے اور بیش قیمت زیورات پہن رکھے تھے، لڑکے کو دیکھ کر وہ رک گئی۔

"ڈولی ہاتھ دن کا تار لائے تھے؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی ہاں — تار اوپر رکھا ہے۔"

"میرا تار تھا۔ شاباش —" اس نے ہومر کو غور سے دیکھا۔ "تم نئے ہرکارے ہو؟ میں ویسٹرن یونین اور ڈاک خانے کے سب ہرکاروں کو جانتی ہوں۔ بہت اچھے لڑکے ہیں۔ مجھ پر تو خاص مہربان ہیں، میں بھی ان کا خیال رکھتی ہوں۔"

عورت بٹوہ کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ بٹوے میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے

"یہ لو۔" اس نے ہومر کو بیس پچیس ملاقاتی کارڈ دے دیے۔

"یہ کس لئے ہیں؟"

"تم جگہ جگہ تارے جاتے ہو، شراب خانوں اور اسی قسم کی دوسری جگہوں پر جایا کرو تو کارڈ چھوڑ آیا کرو۔ کہیں سیاح مل جائیں یا جہاز ران اور سپاہی ہوں جنہیں رات بسر کرنے کے لئے کمرے کی ضرورت ہو تو انہیں کارڈ دے دینا۔ جنگ چھڑی ہوئی ہے اور سپاہیوں کی خاطر تواضع کرنا ہمارا فرض ہے۔ مجھے علم ہے کہ سپاہی بیچارے کتنے اداس ہوتے ہیں، نہ زندگی کا پتہ نہ موت کا۔"

"جی بہت اچھا۔"

ہومر سیڑھیاں اترنے لگا اور ڈولی ہاتھورن مقدس کمروں میں چلی گئی۔

# مسٹر میکانو

لائبریری سے نکل کر لائنل اور اُلی سس دیر تک گلی کوچوں میں پھرتے رہے۔ شام ہو چکی تھی۔ ایک دکان کے سامنے ہجوم دیکھ کر وہ بھی رُک گئے۔ کھڑکی میں ایک آدمی کھڑا طرح طرح کی حرکتیں کر رہا تھا۔ وہ جیتے جاگتے انسان کی جگہ موم کا بنا ہوا پتلا معلوم ہوتا تھا: جیسے زندہ لاش ہاتھ پاؤں ہلا رہی ہو۔ اس شعبدہ بازی کا مقصد ڈاکٹر بریڈفورڈ کے ٹانک کی تشہیر تھی۔ کھڑکی پر لکھا تھا:۔

مسٹر میکانو ۔ نصف مشین اور نصف انسان۔ جو زندہ کم ہے اور مُردہ زیادہ۔

پچاس ڈالر کا انعام اُسے ملے گا جو مسٹر میکانو کو مسکرانے پر مجبور کر دے۔ ہنسانے کے لئے پانچ سو ڈالر۔

اس کے سامنے ایک میز تھی جس پر چھوٹی چھوٹی تختیاں پڑی تھیں جن پر دوائی کی تعریفیں لکھی ہوئی تھیں۔ وہ تختی اٹھاتا، چھڑی سے عبارت کی طرف اشارہ کر کے تختی رکھ دیتا اور دوسری اٹھا لیتا، پھر تیسری، چوتھی ـــــ تختیاں ختم ہونے پر یہ عمل دوہرایا جاتا۔

"یہ تو زندہ ہے"۔ لائنل نے اُلی سس سے کہا۔ "میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ یہ مشین نہیں، ذرا اس کی آنکھیں تو دیکھو۔"

پُتلے نے ہجوم کے سامنے ایک تختی کر دی، جس پر لکھا تھا:۔

زندگی سے مایوس ہونا کفر ہے
قسمت کو کوسنے کی بجائے ڈاکٹر برڈ فورڈ کا ٹانک استعمال کیجئے
اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے۔

اس کے بعد ایک اور تختی آئی، لیکن لائنل پتلے کی شکل سے بیزار ہو چلا تھا۔

"آؤ گھر چلیں، ساری تختیاں تین مرتبہ دیکھ چکے ہیں، دیر بھی ہو گئی ہے۔"

لیکن اُلی سس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"چلو چلیں، مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔"

اُلی سس نے اُس کی بات اَن سُنی کر دی۔

"اچھا تو پھر میں جاتا ہوں۔"

اُلی سس پر اس دھمکی کا بھی اثر نہ ہوا۔ لائنل دوست کی لاپروائی پر حیران رہ گیا۔ افسوس بھی ہوا۔ پیچھے مُڑ مُڑ کر دیکھتا گیا کہ شاید اُلی سس آ جائے۔ لیکن اُسے تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"اور میں اُسے اپنا بہترین دوست سمجھتا ہوں۔" لائنل بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

آہستہ آہستہ مجمع منتشر ہونے لگا۔ حتیٰ کہ صرف دو تماشائی رہ گئے۔ اُلی سس اور ایک بوڑھا۔ آخر بوڑھا بھی چلا گیا۔

رات ہو چکی تھی، تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ پتلا تختیاں دکھا رہا تھا اور بچہ بُت بنا کھڑا تھا۔ یکایک اُلی سس نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔ پہلی مرتبہ اُسے تاریکی اور تنہائی کا

احساس ہوا، دفعتہً اُسے یوں لگا جیسے سامنے موت کھڑی ہے۔ پُتلا اُسے گھُور رہا تھا۔ بچّے کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سرپٹ بھاگا۔ اُسے چند راہگیر ملے لیکن وہ بھی موت کی طرح بھیانک معلوم ہوتے۔ اُس کا سانس پھُول گیا تھا۔ لیکن وہ روتا ہوا بھاگتا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی نہیں ڈرا تھا۔ لیکن پُتلے نے ایسا خوفزدہ کیا کہ جیسے اس کی جان کھینچ لی۔ وہ چلّانے لگا— "ابّا — امّی — مجھے بچاؤ — مارکس، ہلیس، ہتومر — بچاؤ —"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فرار ہو کر کہاں جائے۔ کبھی ایک سمت میں بھاگنے لگتا۔ کبھی دوسری سمت میں۔ بس یہی دُھن تھی کہ کسی طرح اپنے عزیزوں کے پاس پہنچ جائے۔

اچانک اُسے آگسٹس نظر آ گیا جو چلّا چلّا کر اہم خبروں کی سُرخیاں خالی سڑک کو سُنا رہا تھا۔ آگی کو اس طرح چلّانے سے سخت نفرت تھی۔ ایک تو اس لئے کہ تقریباً ساری خبریں قتل وخون سے متعلق ہُوا کرتیں۔ دوسرے یہ کہ بازاروں میں کھڑے ہو کر چنگھاڑنے سے اُسے چِڑ تھی۔ اس کی عادت تھی کہ سڑک پر رونق ہوتی تو چپ رہتا لیکن جونہی بازار خالی ہوتا، وہ دن بھر کی منحوس خبریں زور زور سے سنانے لگتا۔

اکثر سوچتا کہ اخبار بیچنا کس قدر بیہودہ کام ہے۔ لوگ غلطیاں کرتے ہیں، شرارتیں کرتے ہیں اور میں یوں جی لگا کر تشہیر کرتا ہوں جیسے بڑی خوشخبریاں سُنا رہا ہوں۔ اُدھر سننے والوں پر دوسروں کی کمینی حرکتوں اور رنج والم کا اتنا سا بھی اثر نہیں ہوتا۔ سب یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے کچھ بھی تو نہیں ہوا۔

کبھی کبھی اُسے خواب میں نظر آتا کہ وہ اہم سرگرمیاں سنا رہا ہے اور دل ہی دل میں اُن سب مجرموں اور لفنگوں کو کوس رہا ہے جو ان خبروں کے ذمہ دار تھے اور جیسے آگی کی گونجدار آواز سنتے ہی چوڑیڈاکو، رہزن سب کچھ چھوڑ کر خاموش کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خواب میں آگی انہیں خوب ڈانٹتا — بے ایمانو — شیطانو۔ باز آجاؤ، گناہوں سے توبہ کرلو اور اچھے اچھے کام کیا کرو — جاؤ جا کر درخت بوؤ — آگی کے خیال میں درخت بونا ثواب کا کام تھا۔

آگی کو دیکھ کر اُلی سس کی ڈھارس بندھ گئی۔ وہ آگی کو بلانا چاہتا تھا لیکن کوشش کے باوجود آواز نہ نکل سکی۔ وہ تیزی سے بھاگا اور آگی سے چمٹ گیا۔

"کیا ہوا، بات کیا ہے ننھے — رو کیوں رہے ہو"

لیکن بچے کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔

"تم ڈر گئے ہو، ڈرنے کی کوئی بات نہیں، شاباش، رو مت —"

اُلی سس ضبط کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اس کی سسکیاں نہ تھمتی تھیں۔

"اچھا چلو، ہومر کے پاس چلتے ہیں —"

"ہومر کے پاس" بھائی کا نام سن کر وہ مسکرانے لگا۔

"ہاں، تار گھر قریب ہی ہے، چلو —"

دونوں تار گھر پہنچے، ہومر کام میں مصروف تھا۔ اُسے دیکھ کر اُلی سس کی آنکھیں چمکنے لگیں جیسے گھر پہنچ گیا ہو۔

ہومر نے اُسے گود میں اٹھا لیا۔ "کیا ہُوا؟ اتنی رات گئے ننھا یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"یہ کھویا گیا تھا، رو رہا تھا ابھی چُپ ہُوا ہے۔"

بچے نے سسکی لی، ہومر اُسے پیار کرنے لگا۔ "ننھے روؤ مت۔ ابھی گھر چلتے ہیں۔"

سپنگلر اور گروگن کام چھوڑ کر لڑکوں کو دیکھنے لگے۔

"آگئی، اچھا کیا جو اسے لے آئے، ورنہ بڑی دقت ہوتی۔"

"ہاؤ آگئی، ایک اخبار تو دو۔"

آگئی نے بڑی صفائی سے اخبار تہہ کر کے سپنگلر کو دیا۔ اس نے جلدی سے سرخیاں دیکھ کر ردّی میں پھینک دیا۔

"کاروبار کا کیا حال ہے؟" سپنگلر نے پوچھا۔

"خاصا ہے۔ سنیچر کو میں عموماً پچھتر سینٹ کما لیا کرتا ہوں۔ لیکن آج نہ جانے لوگ کہاں چھپ گئے ہیں۔ اُمید تو ہے کہ گھنٹے دو گھنٹے میں سارے اخبار بک جائیں گے۔ کھانے کے بعد لوگ سینما دیکھنے نکلتے ہیں۔"

"سینما دیکھنے والوں کی ایسی تیسی — یہ پیسے لو اور اخباروں کا پلندہ یہاں رکھ دو۔" سپنگلر نے کہا۔

آگئی خوش تو ہوا لیکن سوچنے لگا کہ اخبار اس طرح تو نہیں بکتے۔ فی خریدار فقط ایک

اخبار ہوا کرتا ہے اور اس کے لئے بھی کافی چیخنا چنگھاڑنا پڑتا ہے۔ وہ تھکا ہوا تھا، بھوکا تھا اور جانتا تھا کہ سٹینگر نہایت رحمدل انسان ہے۔ بازاروں اور سڑکوں پہ کافی ہمہ تن لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ سٹینگر جیسے بھلے مانس سے نفع کمانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

"جی میں آپ سے نفع نہیں لوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ اخبار دے دو اور گھر چلے جاؤ۔"

"بہت اچھا جناب۔ کبھی کوئی کام ہوا تو مجھے ضرور بلا لیجئے۔"

"اچھا۔" سٹینگر نے اخبار ردی میں ڈال دیئے۔

"جی اُلی سٹس کھو یا گیا تھا۔" آگی بولا۔

"خیر، مل تو گیا نا۔ ننھے میاں کیسے ہو؟"

اُلی سٹس سوچنے لگا کہ کیا جواب دے۔

"کہہ دو کہ اچھے ہو۔" ہومر نے لقمہ دینے کی کوشش کی۔

سب خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک سٹینگر تھا جو مسرور تھا۔ باقی سب سہمے ہوئے سے تھے۔

گروگن اٹھا، بوتل نکال کر پانچ چھ گھونٹ بھرے اور واپس آ بیٹھا۔

آگی جانے لگا تو ہومر نے روک لیا۔ "ابھی مت جاؤ، میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔ مسٹر سٹینگر مجھے راستے میں کام ہے۔ ان دونوں کو اتار کر کام پہ چلا جاؤں گا۔"

"ضرور۔" سپنگلر نے اپنی میز سے اُبلا ہُوا انڈا اُٹھا لیا جسے وہ خوش نصیبی کی علامت سمجھتا تھا، یا کم از کم جو بدنصیبی کو دُور رکھتا تھا۔

"دونوں کو سائیکل پر کیسے بٹھاؤ گے، میرے خیال میں مجھے پیدل جانا چاہیئے۔" آگی بولا۔

"دیر ہو چکی ہے اور تمہارا گھر تین میل ہے۔ تم پیچھے بیٹھ جانا، اُلی مس آگے بیٹھ جائے گا۔ آسانی سے پہنچ جائیں گے۔ آؤ چلیں۔"

آگے کچی سڑک تھی۔ ہومر کی ٹانگ میں درد تھا۔ لیکن وہ دونوں سواریوں کو کھینچ رہا تھا۔ ایرا کی دکان کے ساتھ ہی آگی کا گھر تھا۔ ہومر نے اُسے اُتار دیا۔ دُکان کے دروازے میں ایرا اپنے لڑکے کا ہاتھ پکڑے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سامنے میدان تھا اور دوسری طرف اخروٹ کے درخت کے نیچے مسز میکالے رسّی سے خشک کپڑے اتار رہی تھی۔ گھر سے بس اور میری کے گانے کی مدھم آواز آ رہی تھی ہومر آسمان کی طرف دیکھنے لگا جسے ایرا اور اس کا بیٹا بڑے غور سے تک رہے تھے۔

آگی گھر سے نکلا اور ایرا سے باتیں کرنے لگا۔

"مسٹر ایرا بیوپار کیسا چل رہا ہے؟"

"خدا کا شکر ہے۔"

"آج میرے پاس بچھتر سینٹ ہیں، بہت سی چیزیں لوں گا۔"

"اندر آجاؤ۔"

دکان میں جانے سے پہلے ایرا نے بیٹے کو آسمان میں تیرتے ہوئے بادل دکھائے۔

"وہ دیکھو جان، اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔ اب سونے کا وقت قریب ہے۔ رات بھر سو کر جب اٹھیں گے تو نیا دن طلوع ہو چکا ہوگا۔ سمجھے؟"

آگی اور باپ بیٹا دکان میں چلے گئے۔ ہومر نے گھر کا رُخ کیا۔

"وہ رہیں امّی۔" اُلی سس بولا۔

"ہاں۔ اخروٹ کے درخت کے نیچے کھڑی ہیں۔"

گھر پہنچ کر اُلی سس کا چہرہ دمک اٹھا۔ ہومر نے سائیکل روکی اور بھائی کو اتار دیا۔

"امّی اُلی سس کھو گیا تھا، آگی کو مل گیا۔ وہ اسے تار گھر لے آیا۔ میں جلدی سے آپا اور میری سے مل آؤں۔ پھر کام پہ جانا ہے۔"

لڑکیاں گا رہی تھیں۔ ہومر اندھیرے میں کھڑا سنتا رہا۔ گیت ختم ہوا تو اندر چلا گیا۔

"ہومر، آج مارکس کا خط آیا ہے۔" میری نے فرطِ مسرت سے مغلوب ہو کر کہا۔

"اچھا! کیسے ہیں بھائی جان؟"

"خیریت سے ہیں۔ اُن کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہاں۔ لکھا ہے کہ اگر کچھ دن خط نہ آئے تو فکر مت کرنا۔"

"سب کے نام خط آئے ہیں۔ امّی کے نام، میرے نام، یہاں تک کہ آلی سس کو بھی خط لکھا ہے۔" بیس بولی

ہومر سوچنے لگا کہ شاید مجھے بھی لکھا ہو۔ لیکن اگر خط نہ ہوا تو بڑی مایوسی اور شرمندگی ہو گی۔ آیا ہوتا تو لڑکیاں ضرور بتا دیتیں۔

آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں ہاں، تمھارے نام بھی ہے۔ بلکہ تمہارا لفافہ تو سب سے موٹا ہے۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، بھائی خط لکھتے ہیں تو ہم سب کو بھیجتے ہیں۔"

بیس گئی اور لفافہ اٹھا لائی۔

"اسے کھول کر ہمیں بھی سناؤ۔" بہن بولی۔

"نہیں آپا، مجھے دفتر پہنچنا ہے۔ فرصت میں پڑھوں گا۔"

"آج دن بھر ہم ملازمت کی تلاش میں ماری ماری پھرا کیں لیکن کچھ نہ بنا۔" بیس نے کہا۔

"دن کچھ اتنا برا بھی نہیں گذرا، طرح طرح کے تماشے دیکھے۔" میری بولی۔

"نوکری نہ ملنے پہ مجھے تو خوشی ہوئی ہے۔ بھلا آپ ملازمت کیوں کریں؟ میں کما کر لاؤں گا۔ اُدھر میری کے ابا اچھی جگہ لگے ہوئے ہیں۔ پھر کبھی کوشش مت کیجیے۔"

"ہومر تم نہیں جانتے۔ ہمیں کام کرنا پڑے گا۔ اُمید تو ہے کہ جلد ہی کوئی جگہ مل

جائے گی۔ ہمیں دوبارہ آنے کو کہا گیا ہے۔"

"نہیں آپا، میں اس کے خلاف ہوں۔ مرد موجود ہوں تو لڑکیاں محنت مشقت کیوں کریں۔ لڑکیوں کو چاہیئے کہ گھر میں رہیں اور مردوں کی دیکھ بھال کیا کریں۔ ہر وقت مسکراتی رہیں تاکہ جب مرد تھکے ہارے لوٹیں تو دمکتے ہوئے حسین چہرے دیکھ کر ساری تکان دور ہو جائے۔ آپ کے فرائض بس اتنے ہی ہیں۔ بھائی مارکس واپس آ کر میری کو ملازمت تھوڑا ہی کرنے دیں گے۔ چھوٹا سا گھر بنا کر دونوں علیحدہ رہا کریں گے اور آپا آپ کی بھی شادی ہو جائے گی۔ آپ اسی کو ملازمت سمجھ لیجئے اور اس کا انتظار کیجئے۔ مانا کہ جنگ ہو رہی ہے اور سب کام رکے پڑے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ دنیا سے امید اٹھ گئی ہے۔ آپ دونوں بس گھر میں رہا کریں۔ میری اپنے ابا کا ہاتھ بٹاتے اور آپا امی کا۔"

ہومر کو بڑوں کی طرح حکم چلاتے دیکھ کر بیس کو فخر محسوس ہونے لگا۔ چھوٹا بھائی بچہ نہیں رہا۔ اب اسے کنبے کا فکر رہتا ہے۔

"اچھا اب ایک گیت سنائیے۔"

"کون سا گیت سنو گے؟"

"کوئی سا سنا دو۔"

بیس پیانو بجانے لگی، میری نے گانا شروع کیا۔ گیت ابھی ادھورا ہی تھا کہ ہومر چپکے سے باہر نکل آیا۔ آلی ستس ایک انڈا انڈا مے وڈ بے کے پاس کھڑا تھا۔

"امّی — کل ہم سب گرجے میں جائیں گے۔ میری کو بھی لے چلیں گے۔" ہومر نے کہا۔

"ہم تو ہر اتوار جاتے ہیں۔ میری بھی ساتھ ہوتی ہے۔"

"لیکن کل ضرور چلیں گے، میری بھی چلے گی۔"

ماں مسکرانے لگی۔

"ننھے تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"انڈا۔" بچے نے اس طرح کہا جیسے کسی مقدس چیز کا نام لے رہا ہو۔

ہومر سائیکل پر سوار ہوا اور کام پر چلا گیا۔

# مضبوط بازوؤں کا سہارا

جب ہومر سائیکل پر جا رہا تھا تو اس وقت بہت دور ایک ٹرین رات کی تاریکی میں تیزی سے جا رہی تھی۔ گاڑی امریکن لڑکوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان میں مارکس بھی تھا اور اس کا دوست ٹوبی جارج بھی۔ سب نے فوجی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ اُن کی آنکھوں، چہرے کے اظہار، قہقہوں اور گانے میں بلا کی زندگی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ صرف فوج ہی نہ تھی، پوری قوم تھی۔

وہ قواعد، ضبطِ نفس، فنِ حرب و ضرب کی چالیں سیکھ کر مشین بن چکے تھے لیکن یہ نہیں بھولے تھے کہ وہ انسان ہیں۔ اُن کے شور و غل سے بھی وقار جھلکتا تھا۔ اُنھیں خطرے کا احساس ضرور تھا مگر وہ نڈر بھی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ محاذ پر جا رہے ہیں لیکن اُنھیں بلاوجہ نہیں بھیجا جا رہا تھا۔ وہ سپاہی کے انجام سے بھی واقف تھے۔

چند ایک کی عمر چالیس سے اوپر تھی۔ ورنہ زیادہ تعداد نوعمر لڑکوں کی تھی، لڑکے جو گاؤں سے آئے تھے، شہروں سے آئے تھے، کھیتوں اور دفتروں سے آئے تھے ـــــ امیروں کے لڑکے، غریبوں کے لڑکے۔

اس عجیب سے ماحول میں جہاں ہیجان تھا، افراتفری تھی، قہقہے تھے، بے خبری تھی، تدبر اور سنجیدگی تھی ـــ وہاں ایک گوشے میں مارکس اور اس کا دوست ٹوبی جارج محوِ گفتگو تھے۔

"ہم محاذ پر جا رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

"مارکس میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ جنگ نہ ہوتی تو تم سے کبھی نہ مل سکتا، نہ تمہارے کنبے کے متعلق سن پاتا۔"

"ہاں ٹوبی — میں بھی یہی سوچتا رہتا ہوں۔"

مارکس خاموش ہو گیا، شاید یہ نامعلوم خطرے کی دہشت تھی۔

اس نے ٹوبی سے ایک اہم سوال پوچھا —

"یہ بتاؤ کہ تم موت سے ڈرتے ہو یا نہیں؟"

اِس سوال کا جواب آسان نہ تھا، ٹوبی سوچ میں پڑ گیا۔

"اگر یہ کہوں کہ نہیں ڈرتا تو سراسر جھوٹ ہوگا۔ مارکس میں خوفزدہ ہوں۔ اور تم —؟"

"میرے ذہن میں ہر وقت یہی خیال رہتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ زندہ لوٹ آئے تو پھر —؟"

"واپس آنے کی خوشی تو ہوگی۔ لیکن میرا کوئی گھر بار نہیں ہے۔ تمہاری طرح عزیز و اقارب نہیں ہیں جن کا چاؤ ہو۔ نہ کوئی لڑکی میرا انتظار کر رہی ہے جیسے تمہاری محبوبہ منتظر ہے۔ پھر بھی لوٹ آنے کی خوشی ضرور ہوگی۔"

دیر تک دونوں چپ رہے۔ آخر مارکس نے پوچھا — "تمہیں موسیقی کیوں پسند

ہے؟"

"بس یونہی پسند ہے؟"

ٹرین تیزی سے جا رہی تھی۔ ڈبے میں شور و غوغا مچا ہوا تھا۔

"تم نے اپنے متعلق نہیں بتایا ——" ٹوبی بولا۔

"مجھے ان دنوں ابا مرحوم بہت یاد آتے ہیں۔ امی بھی یاد آتی ہیں۔ بہن بیس، دونوں چھوٹے بھائی، میری اور مارکس کا والد —— سب یاد آتے ہیں۔ سارے پڑوسی، ایرا کی دکان، ریل کی لائن، اسکول، گرجا، لائبریری، اپنے استاد، اور لڑکپن کے وہ سب ساتھی، جن میں سے کئی سدھار چکے ہیں، جن کی موت کی وجہ جنگ نہ تھی —— بیماریاں اور حادثے تھے ——"

"کیسی عجیب بات ہے، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اتھاکا میرا اپنا قصبہ ہے۔ مارکس! اگر خیریت رہی تو مجھے اتھاکا لے چلو گے؟ میں وہ سب جگہیں دیکھوں گا جو تمھیں اس قدر عزیز ہیں ——"

"ضرور لے چلوں گا، تمھیں اپنے عزیزوں سے بھی ملاؤں گا۔ ہم غریب ہیں۔ غربت نے کبھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرے ابا بہت اچھے آدمی تھے اگرچہ وہ زیادہ کامیاب نہیں رہے۔ انھوں نے کبھی روپیہ جمع نہیں کیا، نہ کچھ چھوڑا۔"

"اُن کا نام میتھیو میکالے تھا نا؟"

"ہاں، وہ باغوں میں اور دکانوں پر کام کیا کرتے تھے۔ سیدھی سادی محنت

مشقت ۔ دیکھنے میں وہ اور آدمیوں سے مختلف نہیں تھے ۔ لیکن بڑے عظیم انسان تھے ۔ انہیں ہر وقت کنبے کا خیال رہتا تھا ۔ کنبہ انھیں بے حد عزیز تھا ۔ پیسے بچا بچا کر انہوں نے ہمارے لیئے رباب خریدا ۔ رباب! ان دنوں کس کے ہاں ہوتا ہے؟ لیکن انہوں نے لے دیا ۔ قیمت کی ادائیگی میں انھیں پانچ برس لگے ۔ اتنا بڑھیا رباب میں نے آج تک نہیں دیکھا پھر وہ بہن بھائی کے لیئے پیانو لائے ۔ مدتوں میں یہی سمجھتا رہا کہ دنیا میں سب آدمی ابا جیسے نیک نفس اور محبت والے ہوں گے ۔ لیکن یہ غلط فہمی تھی ۔ لوگ برے بھی نہیں ہیں ۔ لیکن ان میں وہ عظمت مفقود ہے جو ابا میں تھی ۔ ہو سکتا ہے کہ میں لوگوں کو پہچانتا نہیں ۔ ان کی خوبیاں نہیں پرکھ سکتا ۔ بہت سے انسان بے حد اچھے ہوتے ہیں مگر انھیں کوئی سمجھتا نہیں ۔"

"کاش کہ میں ان سے ملا ہوتا ۔ وہ میرے والد نہ تھے ۔ پھر بھی انھیں جاننے کا فخر تو حاصل ہو جاتا ۔ میں اپنے والد کے متعلق کچھ نہیں جانتا ۔ پتہ نہیں وہ کون تھے کیسے تھے ۔ یا شاید اسی میں بہتری ہو ۔ کیونکہ کبھی کبھی یگانگت مایوس کن بھی ہو سکتی ہے ۔ ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو تن تنہا پایا ۔ سکول پہنچ کر سنا کہ بچوں کے والدین بھی ہوتے ہیں جو انہیں پیار کرتے ہیں ۔ میں اس پیار سے سدا محروم رہا ۔ میں تو صرف یہ جانتا تھا کہ دنیا میں ہر انسان اکیلا ہے تبھی تنہائی کا اتنی جلدی عادی ہو گیا ۔ جب مجھے پتہ چلا کہ میں یتیم ہوں تو احساسِ غم بڑھتا گیا ۔ شاید اسی لیئے مجھے موسیقی پسند ہے ۔ گیت احساسِ تنہائی کو کس قدر شدید کر دیتے ہیں ۔ مارکس! ایک بات پوچھوں ۔ میں

کیسی لڑکی ہے؟"

مارکس جانتا تھا کہ ٹوبی بیحد شرمیلا ہے اور جھجک جھجک کر اس نے یہ پوچھا ہے۔

"شرماؤ مت ٹوبی — جو چاہو پوچھ لو۔ میری بہن بڑی اچھی لڑکی ہے۔ ہم گھر جائیں گے تو تم خود دیکھ لوگے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمھیں پسند کرے گی —"

"مجھے —؟"

"ہاں — مجھے یونہی یقین سا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگوگے۔ ایسا ہوا تو مجھے بہت خوشی ہوگی —"

بہن اور دوست کے متعلق باتیں کرتے ہوئے مارکس بھی ہچکچا رہا تھا۔ اسے دونوں عزیز تھے۔ پھر بھی یہ جھجک فطری تھی، لیکن دوستی کا خلوص غالب آگیا۔

"ٹوبی تم اس سے شادی کر لینا۔ انھا کا میں گھر بنا لینا۔ بڑا اچھا قصبہ ہے۔ لوگ بہت اچھے ہیں۔ تم وہاں خوش رہوگے۔ لو تمھیں بیس کی تصویر دیتا ہوں۔ اسے حفاظت سے رکھنا جیسے میری کی تصویر ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہے —"

ٹوبی نے دوست کی بہن کی شبیہہ دیکھی۔ دیر تک تصویر دیکھتا رہا۔

"بیس بڑی پیاری لڑکی ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے یہ اجنبی معلوم نہیں ہوگی۔ یوں لگتا ہے جیسے میں اسے جانتا ہوں۔ میں نے اب تک بیس کے ذکر سے احتراز کیا۔ امید ہے کہ تم میری بات کا برا نہ مانوگے۔ مجھے احساس کمتری رہا ہے یتیم خانے میں پلا ہوا بے یار و مددگار لڑکا جس نے کبھی ماں باپ کی شکل نہیں دیکھی۔ مجھے تو

یہ بھی پتہ نہیں کہ میں کون ہوں۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھ میں ہسپانوی اور فرانسیسی خون کی آمیزش ہے، کوئی کہتا ہے کہ میں اطالوی اور یونانی ہوں۔ کوئی ــــ"

"تم امریکن ہو۔ تمھاری قومیت پر کسے شبہ ہے ــــ"

"یہ تو درست ہے لیکن کس قسم کا امریکن ــــ؟"

"ایسا امریکن جس کا نام ٹوبی جارج ہے۔ بس یہی کافی ہے۔ بیس کی تصویر اپنے پاس رکھنا۔ ہم دونوں گھر جائیں گے۔ وہاں ہمارے کنبے ہوں گے۔ ایک دوسرے سے ملا کریں گے، موسیقی ہوگی، کھیل ہوں گے ــــ بڑا لطف رہے گا۔"

"مارکس، مجھے تمھاری ایک ایک بات پر یقین ہے۔ خدا کی قسم تم پر پورا بھروسہ ہے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ باتیں محض دوستی کی وجہ سے نہیں کہہ رہے ہو۔ ان میں صداقت ہے۔ ایک دن ہم اٹھا کا جائیں گے ــــ"

ٹوبی پھر سوچ میں پڑ گیا ــــ

"اگر خدانخواستہ بیس کو میں اچھا نہ لگا یا کوئی دوسرا پسند آگیا یا ہماری واپسی سے پہلے اُس کی شادی ہو گئی ــــ تب بھی میں تمھارے ساتھ چلوں گا۔ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس کیا ہے کہ میرا بھی گھر ہے۔ عزیز و اقارب ہیں۔ میکائے کنبے کو میں اپنا کنبہ سمجھتا ہوں۔ مجھے ایسے سیدھے سادے لوگ بہت پسند ہیں۔ خدا کرے یوں ہو جائے، سب کام حسبِ منشا انجام پائیں۔ میں اٹھا کا چلا جاؤں اور موت تک وہیں رہوں ــــ"

"خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا، ہم دونوں خیریت سے واپس لوٹیں گے۔ بقیہ زندگی اکٹھے گذرے گی۔ تم اور بیس، میری اور ہیں ــــ دیکھ لینا ــ" دونوں خاموش ہو گئے۔

کچھ سپاہی آ گئے۔ ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ سب نے مل کر ایک نہایت چنچل گانا گایا۔ گاتے گاتے ٹوبی نے پوچھا ــ" دعاؤں پر تمھیں اعتقاد ہے؟"

مارکس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یتیم خانے میں بلاناغہ دعا مانگنی پڑتی تھی۔ خواہ مخواہ بلا کسی وجہ کے دعائیں مانگا کرتے ــ"

"پتہ نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ دعا کبھی خواہ مخواہ نہیں مانگی جاتی۔ وہ تو خود ہونٹوں پر آ جاتی ہے ــ"

"صحیح ہے۔ تبھی میں نے ان دنوں دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔ لڑکپن سے اب تک کبھی کچھ نہیں مانگا۔ لیکن اب پھر اعتقاد ہو چلا ہے ــ"

ٹوبی دعا مانگنے لگا، نہ اس نے سر جھکایا نہ آنکھیں بند کیں نہ ہاتھ جوڑے ــــ بڑے خلوص سے بولا ــ" خدا تعالیٰ مجھے خیریت سے اتھاکا پہنچا۔ میرے مالک، جو تو کہے گا میں کروں گا۔ بس ایک دفعہ میں گھر پہنچ جاؤں۔ سب کی حفاظت کر، سب کو دکھ درد سے بچا، بے گھروں کو پناہ دے، بھولے بھٹکوں کو راہ دکھا ــ آمین!"

"خدا تمھاری دعا قبول کرے ــ" مارکس نے کہا۔

ٹوبی کو یوں محسوس ہوا جیسے دعا نامکمل رہ گئی ہے۔

"اے معبود! میکالے کنبے کی حفاظت کر، بیس کی حفاظت کر۔ کسی طرح اسے معلوم ہو جائے کہ وہ مجھے عزیز ہے۔ مارکس اور میری کو محفوظ رکھ اور مارکس کی امی اور دونوں بھائیوں کو بھی۔ قصبے کی رونق برقرار رہے، گلیاں آباد رہیں، بربط اور پیانو کے نغمے کبھی تمام نہ ہوں۔ اے خدا، دنیا کو اپنی حفاظت میں لے لے۔ آمین!"

سپاہی ایک نیا گیت گا رہے تھے جس میں ہر شے کی بے ثباتی کا تذکرہ تھا۔ خصوصاً عورتوں کی ناپائدار محبت کا ذکر بار بار آتا تھا۔

گیت ختم ہوا تو گہری خاموشی چھا گئی۔ کوئی خاص وجہ نہ تھی۔ پھر بھی سب چپ ہو گئے۔ آخر ایک سپاہی بولا۔ "کیا ہوا؟ یہ سب کو سانپ کیوں سونگھ گیا۔ مارکس اپنا ارگن باجہ نکالو۔ ٹوبی گیت سنائے گا۔"

"کیا سنو گے؟"

"کچھ سنا دو۔ اتنی دیر سے بیہودہ گانے گا رہے ہیں، اب صاف ستھرے گیت سننے کو جی چاہتا ہے۔ کوئی اچھی سی چیز ہو۔ مقدس اور پاکیزہ۔"

"نعتیہ کلام میں سے تمہیں کیا پسند ہے؟"

"یہ لوگ میرے انتخاب پہ ہنسیں گے۔ مجھے وہ نعت پسند ہے۔ مضبوط بازوؤں کا سہارا۔"

"ٹوبی تمہیں یہ نعت آتی ہے؟ نہیں تو میں الفاظ بتاتا رہوں گا۔"

"دس برس تک، ہر اتوار کو میں نے یہ نعت گائی ہے۔" ٹوبی بولا۔
مارکس نے باجے پر دھن نکالی، ٹوبی گانے لگا۔

کس قدر یگانگت محسوس ہوتی ہے اور کتنی بہجت
مضبوط بازوؤں کا سہارا ہے۔ اور میں ہوں
چاروں طرف برکت برس رہی ہے سکون ہی سکون ہے
مضبوط بازوؤں کا سہارا ہے اور میں ہوں

دو چار لڑکوں نے ساتھ دیا۔ پھر تمام لڑکے مارکس اور ٹوبی کے گرد جمع ہو کر گانے لگے۔

کوئی خطرہ نہ کھٹکا، احساسِ تحفظ ہے اور سلامتی
مضبوط بازوؤں کا سہارا ہے اور میں ہوں

رات کی تاریکی میں ٹرین تیزی سے جا رہی تھی۔

# ہومر کو مارکس کا خط

ہومر کے لئے یہ سنیچر بہت اہم تھا۔ معمولی سے واقعات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ زندگی میں سنجیدگی آ گئی۔ اُسے رات کا بھیانک خواب یاد تھا کہ اس نے موت کے فرشتے کو قصبے سے دُور رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ خواب حقیقت بن گیا۔

مارکس کا خط اس کی جیب میں تھا۔ وہ تھکا ہارا، لنگڑاتا ہوا، تار گھر پہنچا، کاغذات دیکھے لیکن کوئی تار یا پیغام نہیں ملا۔ اب چھٹی تھی۔

"مسٹر گرو گن میں باسی سموسے لے آؤں؟"

بوڑھا ساری شام پیتا رہا تھا۔ خمار سے اُس کی آنکھیں بوجھل تھیں۔

"میں ساتھ دیتا لیکن اس وقت کھانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میرا بھی کچھ زیادہ جی نہیں چاہ رہا۔ خیال تھا کہ آپ بھوکے ہوں گے۔ آج دن بھر شدید مصروفیت رہی لیکن پتہ نہیں کیوں اب تک بھوک نہیں لگی۔ آپ سوچتے تو ہونگے کہ یہ دن رات کام کرتا ہے۔ پھر بھی اسے بھوک نہیں لگتی۔"

"ٹانگ اب کیسی ہے؟"

"پہلے سے اچھی ہے، بآسانی چل پھر سکتا ہوں۔ ویسے مجھے تو موچ یاد ہی نہیں رہی۔"

وہ بوڑھے کو عجیب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"مسٹر گرہ وگن آپ نشے میں ہیں؟"

یہ سوال ایسے بھولپن سے پوچھا گیا تھا کہ بوڑھا خفا نہیں ہوا۔

"ہاں میں نشے میں ہوں، مخمور ہوں تو خوش رہتا ہوں۔"

بوڑھے نے بوتل نکال کر تین چار گھونٹ بھرے۔ "بیٹے میں ناصح نہیں ہوں کہ شراب کے خلاف تقریر شروع کر دوں۔ وہ احمق ہیں جو کہا کرتے ہیں کہ مجھ سے سبق سیکھو، شراب نے میرا یہ حال کر دیا، دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — وغیرہ وغیرہ۔ میں ایسی خرافات سے پرہیز کروں گا۔ تم سمجھ دار ہو، روز نئی نئی باتیں سیکھتے ہو۔ ایک نصیحت کروں — دوسروں کے متعلق کبھی زیادہ مت سوچا کرو، نہ اُن کی باتوں اور حرکتوں پر توجہ دیا کرو۔ اوروں کے بارے میں کبھی وثوق سے بیان نہیں دیا جا سکتا۔ بُرا نہ ماننا۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم مجھے عزیز ہو۔ کسی کے قول یا فعل پر تنقید کرنا بُری بات ہے۔ مجھے لو، میں تمھارے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا، تم کون ہو، کہاں رہتے ہو، تمھارا موجودہ طور طریقہ کس طرح ظہور میں آیا — میں کچھ نہیں جانتا، سوائے اس کے کہ تم بڑے اچھے لڑکے ہو اور تمہارے خیالات مجھے بیحد پسند ہیں۔ بڑھاپا آتا ہے تو انسان اچھوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے خصوصاً اس بات سے کہ اس کی موت کے بعد بھی اچھائی دنیا میں رہے گی۔ یہی سوچو کہ میں نشے میں نہ ہوتا تو تم سے ایسی باتیں کرتا؟ شاید میرا شرابی ہونا اتنی بُری بات نہیں۔ کسی کو کیا پتہ کہ میرے حالات کیا ہیں۔ مجھ پر کیا کچھ گذرتی ہے۔ میں کیوں پیتا ہوں؟ تمھیں کچھ اندازہ ہے؟"

"جی نہیں ۔"

"یہ شراب ہی ہے جو مجھے اپنا دل کھول دینے پر مجبور کرتی ہے تبھی تم سے ایسی گفتگو کیا کرتا ہوں ۔ بیٹے خوش رہا کرو ، خدا کا شکر ادا کیا کرو ۔ جو جیسا بھی ہے جس حال میں ہے اُسے ممنون ہونا چاہئے ۔ اگر وہ اچھا ہے تو اس کی بھلائی صرف اسی تک محدود نہیں ۔ مجھے بھی کچھ حصّہ ملتا ہے اور دوسروں کو بھی ۔ اس کے ذمّے یہ فرض ہے کہ اچھائی کو برقرار رکھے اور دوسروں میں پھیلائے ۔ تم میں خوبیاں ہیں ، خدا کا شکر بجا لاؤ کیونکہ جہاں تم جاؤ گے لوگ پہچان لیں گے ، تمھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے ۔"

نہ جانے کیوں ہومر کو وہ لڑکی یاد آگئی جس نے اس سے مقدس کمروں میں باتیں کی تھیں ۔

"وہ فوراً بھانپ لیں گے کہ تم سچّے ہو ، قابلِ اعتماد ہو ، بے ضرر ہو ۔ وہ سمجھ جائیں گے کہ دُنیا انہیں ٹھکرا دے لیکن تمہیں ان سے نفرت نہیں ہوگی ۔ دُنیا اُنہیں غلط سمجھتی رہے لیکن تم اُنھیں پہچان لوگے ۔ بیٹے تم کم سن ہونے کے باوجود بڑے عظیم انسان ہو ۔ تمھیں یہ عظمت کہاں سے ملی ؟ کوئی نہیں بتا سکتا ۔ مجھ پر یقین کرو ۔ میں سچ کہتا ہوں اور عظمت کے ساتھ ساتھ طبیعت میں انکسار پیدا کرو ۔ اپنی خوبیوں کو برقرار رکھو ۔"

"جی ۔"

"میں نے تمھاری فطرت کا مطالعہ کیا ہے ۔ کبھی میں نشے میں ہوتا ہوں کبھی ہوش مند ۔ لیکن تم سے ہمیشہ متاثر ہوا ہوں ۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے ، دُنیا کے ہر حصّے

میں رہا ہوں۔ جوانی میں طرح طرح کے لوگ دیکھے ہیں۔ زندگی بھر مجھے اچھائی کی تلاش رہی۔ اجنبی قصبوں میں، اَن جانے لوگوں میں، میں نے اچھائی کا قرب محسوس کیا۔ یوں تو اس کی تھوڑی بہت جھلک ہر شخص میں دکھائی دی۔ لیکن یہ کافی نہ تھی اور اب برسوں کے بعد اس چھوٹے سے قصبے میں اچھائی کو تمھارے روپ میں دیکھا ہے۔ میں تمھارا ممنون ہوں،

— یہ لفافہ کیسا ہے؟"

"بھائی مارکس کا خط آیا ہے۔ پڑھنے کا موقع نہ مل سکا۔"

"اب پڑھ لو۔"

"آپ سنیں گے؟"

"ضرور سنوں گا۔" بوڑھے نے چند گھونٹ اور لیے۔

ہومر نے بڑی حفاظت سے لفافہ کھول کر خط نکالا اور پڑھنے لگا:۔

عزیز ہومر!

پیشتر اس کے کہ میں اور باتیں لکھوں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری جتنی چیزیں گھر میں رکھی ہیں وہ اب تمھاری ہیں۔ انھیں لے لو۔ جب تمھیں ضرورت نہ رہے تو اُلی سس کو دے دینا۔ میری کتابیں، گراموفون، ریکارڈ، سائیکل، خوردبین، مچھلیاں پکڑنے کا سامان، پیڈرا کی پہاڑیوں سے اکٹھے کیے ہوئے پتھر اور بقیہ سب چیزیں لے لو۔ میرے کپڑے تمھیں ڈھیلے آئیں گے۔ لیکن چند سال کے بعد جب بڑے ہو جاؤ گے تو انھیں بھی لے

لینا۔ بیس سے زیادہ تم حقدار ہو۔ کیونکہ اب تم میکالے کنبے کے سرپرست ہو
جو روپیہ میں نے پچھلے سال چھوٹے موٹے کام کرکے کمایا تھا وہ
والدہ کو دے دیا ہے۔ انہیں ضرورت ہوگی۔ پیسے کی تنگی کی وجہ سے شاید والدہ
اور بیس ملازمت کرنا چاہیں۔ میں گھر پر ہوتا تو انھیں کبھی نوکری نہ کرنے دیتا۔
امید ہے کہ تم بھی انھیں زیادہ محنت مشقت سے محفوظ رکھو گے۔ وہ اصرار
کریں تب بھی انھیں منع کر دینا۔

میں سوچتا رہتا ہوں کہ تم گھر کس طرح چلاتے ہوگے جبکہ تمھیں سکول کا کام
بھی رہتا ہے۔ لیکن پھر اطمینان ہو جاتا ہے کیونکہ تم بڑے ہمت والے ہو۔
اپنی تنخواہ میں سے صرف چند ڈالر لے کر باقی والدہ کو بھجوا دیتا ہوں لیکن
یہ قلیل رقم گھر کے اخراجات کے لئے ناکافی ہے۔ تمھارے کندھوں پر بڑا
بوجھ آن پڑا ہے اس کا مجھے احساس ہے۔ جب میں نو کا ہوا تو میری عمر
انیس سال کی تھی۔ تم اتنے چھوٹے ہو۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ کنبے کو
کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دو گے۔

تم بہت یاد آتے ہو۔ اکثر تمھارے متعلق سوچتا رہتا ہوں تمھیں تو علم
ہوگا کہ مجھے جنگ سے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ اس جنگ سے بھی
جو مجبوراً لڑنی پڑے۔ لیکن پھر یہ سوچتا ہوں کہ ملک کی خدمت کر رہا ہوں
جس میں اتھاکا ہے، ہمارا گھر ہے اور میکالے کنبہ ہے۔

جس شخص میں انسانیت کا مادہ ہے وہ کبھی میرا دشمن نہیں ہو سکتا۔ دشمن سے مجھے ذاتی عناد نہیں۔ عداوت ہے تو اُن برائیوں سے جنھیں فنا کر دینا چاہیئے جیسے کہ میں خود اپنی برائیوں کو مٹا دینا چاہتا ہوں۔

میں اپنے آپ کو ہیرو نہیں سمجھتا، نہ مجھ میں ہیرو بننے کی صلاحیت ہے۔ مجھے کسی سے نفرت نہیں۔ میں کٹر قسم کا حب الوطن بھی نہیں ہوں۔ مجھے اپنے ملک اور اس کے قصبوں اور باشندوں سے ہمیشہ محبت رہی ہے۔ لیکن میرا جی یہی چاہتا ہے کہ کاش کہ میں فوج میں نہ ہوتا، کاش کہ جنگ نہ ہوتی۔ چونکہ میں فوج میں ہوں اور ہم جنگ لڑ رہے ہیں اس لئے میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اچھا سپاہی بن کر دکھاؤں گا۔ پتہ نہیں کل کیا ہونے والا ہے۔ جو کچھ بھی ہوا اس کے لئے تیار ہوں۔ میں خوفزدہ ہوں — بیحد خوفزدہ۔ لیکن وقت آنے پر ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ فرائض میں کوتاہی کبھی نہ ہوگی۔ حکم چلانے اور حکم بجالانے سے مجھے نفرت ہے، وہی کروں گا جو ضمیر کہے گا۔ بطور سپاہی کے میری اہمیت کچھ اتنی زیادہ نہیں۔ فوج میں مجھ جیسے لاکھوں لڑکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں جنگ میں کام آجاؤں۔ لیکن میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ بچ کر واپس گھر آؤں اور بقیہ زندگی والدہ، بہن اور بھائیوں کے ساتھ گذار دوں۔ اور میری اور میں اپنا گھر بسائیں۔

ہمیں بہت جلد محاذ پر بھیج دیا جائے گا۔ پتہ نہیں ہم کس جگہ لڑیں گے

لیکن اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اس لئے اگر کچھ عرصے تک میرا خط نہ آئے تو گھبرانا مت!

شاید یہ میرا آخری خط ہو۔ اگر ایسا ہوا تو کنبے کا خیال رکھنا، یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمھارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ دوسروں کو بھی محسوس نہ ہونے دینا۔

میرا ایک دوست ہے، جو یتیم اور بے گھر ہے، عجب بات ہے کہ سب لڑکوں میں سے میں نے اسے ہی منتخب کیا، اس کا نام ٹوبی جارج ہے۔ میں اس سے گھر اور کنبے کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہوں ہم دونوں اکٹھے اتھاکا آئیں گے۔

خط پڑھ کر جی بُرا مت کرنا۔ میں خوش ہوں کہ میکالے کنبے کا ایک لڑکا فوج میں ہے۔

مجھے یقین ہے کہ میرے وہ جذبات بھی تم تک پہنچ جائیں گے جنھیں میں الفاظ میں نہ ادا کر سکا۔ تم ضرور سمجھ جاؤ گے۔ کیونکہ ہمارے کنبے میں تم سب سے اچھے ہو۔ ہمیشہ اچھے رہنا۔ تم کم سن ہو۔ ابھی چودہ برس کے ہو۔ خدا کرے، ساٹھ برس تک جیو، اس سے بھی زیادہ عمر پاؤ، سدا جیو۔ میری نگاہیں ہمیشہ تم پر رہیں گی۔ تمھارے لئے ہی تو ہم جنگ لڑ رہے ہیں۔ میرے عزیز بھائی! تم دنیا کی سب سے

بیش قیمت شے ہو۔

اگر ہم اس وقت اکٹھے ہوتے تو یہ سب باتیں کیسے بتا سکتا تھا۔ تم ایک نہ سنتے، مجھ سے کشتی لڑتے۔ مجھے نیچے گرا کر قہقہے لگاتے۔

جو کچھ میں نے خط میں لکھا ہے۔ وہ سب صحیح ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔ اب میں تمہارا نام لکھتا ہوں ــــ تم ہومر میکالے ہو۔ تم بہت یاد آتے ہو۔ تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اس دن کے لیے ایک ایک گھڑی گنتا رہتا ہوں۔ جب خدا ملائے گا، پھر تم بیشک مجھ سے کشتی لڑنا۔ والدہ، بیس اور میری کے سامنے مجھے پچھاڑ دینا، میں ہرگز برا نہیں مانوں گا۔ اس دن کا مجھے انتظار رہے گا۔

خدا تمہارا محافظ ہو۔

تمہارا بھائی

مارکس

خط پڑھتے ہوئے بارہا ہومر کی آواز بھرائی۔ کئی دفعہ اس کی آنکھوں میں آنسو آئے، دم گھٹنے لگا، سامنے اندھیرا چھا گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے میکسیکن عورت کے گھر میں ہوا تھا۔

ہوتمر کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے ہونٹ بھینچ لئے اور گروگن کی طرف دیکھا جو غم کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"اگر اس بیہودہ جنگ میں میرا بھائی مارا گیا تو عمر بھر کے لئے مجھے دنیا سے نفرت ہو جائے گی۔ نیکی، ایمانداری، سچائی ان سب سے نفرت کروں گا۔ میں بد بن کر دکھاؤں گا۔ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جلدی سے اس نے وردی کا سفید کوٹ اور ٹوپی اتار کر ایک طرف رکھی اور باہر بھاگ گیا۔

بوڑھا خاموش بیٹھا تھا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو اٹھا اور بچی ہوئی شراب ختم کی اور کاغذات سنبھالنے لگا۔

# بہت سا پیار پہنچے

اتھاکا عام قصبوں جیسا تھا۔ شروع شروع میں زندگی بے معنی اور مہمل سی معلوم ہوتی۔ لیکن جوں جوں مہینے اور سال گذرتے زندگی کے دھندلے خاکے میں نقوش ابھرنے لگتے، اس رنگ آمیزی سے حسن نمایاں ہو جاتا، جاذبیت عود کر آتی۔ حسن بدصورتی کو چھپا لیتا، ناشائستگی کو نستعلیق پن ڈھانپ دیتا اور برائی کو اچھائی۔ متضاد چیزوں کا یہ امتزاج انھیں ایک نئی دلآویزی بخشتا۔

تار کی مشین بجتی رہی۔ گرد و گن پیغام لکھ لکھ کر بھیجتا رہا۔ محبت بھرے پیغام امید افزا سندیسے، کربناک فقرے، موت کی منحوس خبریں۔

'میں گھر آ رہا ہوں'۔ 'سالگرہ مبارک ہو'۔ 'شعبۂ جنگ کو افسوس ہے کہ آپ کا لڑکا'۔ 'بہت سا پیار پہنچے'۔ 'میں خیریت سے ہوں'۔ 'خدا تمھیں خوش رکھے'۔

تار آتے رہے اور ہومر انھیں تقسیم کرتا رہا۔

میکالے کنبے کے گھر سے بربط کے نغمے سنائی دیتے۔ سپاہی متحرک تھے۔ وطن سے محاذ تک خشکی تری پر، ہوا میں، یہ جنبش جاری رہی۔ نئی نئی جگہیں آباد ہوئیں۔ نئے دن نئی راتوں کی تشکیل ہوئی۔ طرح طرح کی مشکلات اور عجیب عجیب خطرے وجود میں آئے۔ زندگی بظاہر ویسی ہی تھی لیکن آہستہ آہستہ اس میں بتدریج تبدیلیاں آ رہی

تھیں، ہر چیز بدل رہی تھی۔ اس تغیر کی زد سے کوئی نہ بچ سکا — مارکس، ٹوبی، ہومر، سپنگلر گروگن، مسز میکالے، اُلی سس، ڈائینا، آگی، لامینل، بیس، میری، مقدس کمروں والی لڑکی، روزالی، مسز بیباڈی، مسٹر آبرا، اور اس کا لڑکا جان، موٹا کرس، مس ہکس، اور یہاں تک کہ مسٹر میکینو بھی۔

مال گاڑی جس میں جلنشی گا رہا تھا چلتی رہی۔ گلہریاں اپنے بلوں سے جھانکتی رہیں۔ ہینڈرسن کی خوبانیاں پک کر سنہری ہو گئیں۔ لڑکے کئی بار چرانے آئے۔ صحن میں اُلی سس مرغیوں اور چوزوں کو غور سے دیکھا کیا۔ ہومر کی موچ ٹھیک ہو گئی۔ قصبے میں ایسٹر کا تہوار منایا گیا۔ ایک ہفتہ اور گذر گیا، پھر ایک اور — ہفتے مہینے گذرتے رہے۔

میکالے کنبے کے افراد میری کو لے کر گرجے میں دعا مانگنے آئے تھے۔ اُلی سس ماں کے ساتھ بنچ پہ بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس کے سامنے ایک ایسا معمر شخص تھا جو بالکل گنجا تھا۔ اُلی سس کو یہ نظارہ بحید دلفریب معلوم ہوا۔ گنجے سر کی گولائی اور چمک دیکھ کر اُسے انڈا یاد آگیا۔ لیکن سر بالکل صاف نہیں تھا۔ پانچ چھ بال بھی اُگے ہوئے تھے۔ ایک لمبی سی سلوٹ نے سر کو دو حصوں میں یوں بانٹ دیا تھا جیسے خطِ استوا کرۂ ارض کو تقسیم کرتا ہے۔ یہ گنجا سر قدرت کی صنّاعی کی بہترین مثال تھی۔

پادری عبارت پڑھ رہا تھا۔ پہلے وہ ایک فقرہ پڑھتا۔ پھر سب مل کر اگلا فقرہ پڑھتے۔

"حضرت عیسیٰ نے ہجوم کو دیکھا تو آپ پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ آپ پتھر پر بیٹھے

تو حواری حاضر ہوئے۔" پادری بولا۔

"لب مبارک کھلے اور آپ نے فرمایا۔" حاضر بن نے جواب دیا۔

"مبارک ہیں وہ لوگ جو غریب ہیں، انھیں بہشت عطا ہوگا۔"

"مبارک ہیں وہ جو سوگوار ہیں، وہ تسکین پائیں گے۔"

"مبارک ہیں وہ جو ظلم سہتے ہیں، دنیا کی حکمرانی انھی کو سونپی جائے گی۔"

"مبارک ہیں وہ جو نیک کرداری کی راہ میں بھوک اور پیاس سہتے ہیں وہ بھوکے پیاسے نہیں رہیں گے۔"

"مبارک ہیں وہ جو رحمدل ہیں اُن پر خاص مراعات ہوں گی۔"

"مبارک ہیں وہ جن کے دل پاکیزہ ہیں انھیں خدا کا دیدار نصیب ہوگا۔"

"مبارک ہیں وہ جو امن کے خواہاں ہیں، وہ خدا کے خاص بندے کہلائیں گے۔"

"مسرور ہو جاؤ، خوشیاں مناؤ، تم دنیا کی بہترین مخلوق ہو، تم دنیا کا اُجالا ہو۔"

"یہ روشنی اتنی چمکے کہ دوسرے تمھاری نیکیوں سے متاثر ہو کر تمھارے مقدس باپ کی حمد و ثنا کریں، باپ جو بہشت میں ہے۔"

صحیفوں کی تلاوت شروع ہوئی۔ اُلی سس گنجے سر کے مطالعے میں محو تھا۔ کہیں سے مکھی آ کر سر پہ بیٹھ گئی اور چہل قدمی کرنے لگی۔ اُلی سس مکھی کو دیکھتا رہا۔ اُسے پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ مسز میکالے نے چپکے سے ہاتھ تھام لیا۔

مکھی اور گنجے سر کو دیکھتے دیکھتے وہ خیالات کی دُنیا میں کھو گیا۔ پھر جیسے وہ چمکدار سر ایک صحرا میں تبدیل ہو گیا۔ سلوٹ ندی نظر آنے لگی۔ چھ سات بالوں نے کھجور کے درختوں کی شکل اختیار کر لی، مکھی شیر بن گئی۔

اس نے دیکھا کہ وہ ندی کے کنارے پر کھڑا ہے، شیر دوسری طرف ہے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں۔

گرجے میں صحیفوں کی تلاوت جاری تھی ــــ

پھر دور ایک عرب دکھائی دیا جو لبادہ اوڑھے ریت پر لیٹا سو رہا تھا، پاس طنبورہ اور پانی کی صراحی رکھی تھی۔

شیر ٹہلتا ٹہلتا عرب کے قریب پہنچا اور اُسے سونگھنے لگا۔ شیر کے چہرے پر ایسی معصومیت اور سکون تھا کہ اُلی سس کو یقین ہو گیا کہ وہ عرب کو کچھ نہیں کہے گا۔

تلاوت ختم ہوئی۔ ارگن بجنے لگا۔ بچے حمدیہ نغمہ "زمانے کی چٹان" گانے لگے۔

اُلی سس چونک پڑا۔ سارا طلسم درہم برہم ہو گیا۔ عرب اور شیر غائب ہو گئے لیکن اب سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا جس میں ایک چٹان ابھری ہوئی تھی۔ تیز و تند موجیں آ آ کر ٹکراتیں۔ جان بچانے کا ذریعہ یہی ایک چٹان تھی۔ اُلی سس نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ صرف اس کا سر اور بازو پانی سے باہر تھے۔ اس نے صبر اور امید کا دامن نہیں چھوڑا۔

اتنے میں ایک عظیم شبیہہ پانی پر چلتی ہوئی آئی اور اسے بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

— یہ موٹا کرس تھا

لیکن وہ پھر پانی میں گر گیا۔ موٹے کرس نے دوبارہ اسے نکالا اور دونوں پانی پر چلنے لگے۔ دور افق پر ایک خوشنما شہر نظر آ رہا تھا، سرسبز باغات تھے جن سے اُجلی اُجلی عمارتیں جھانک رہی تھیں۔

گیت ختم ہو گیا۔

کوئی اُلی سس کو جھنجھوڑنے لگا، وہ ہڑبڑا کر اُٹھا۔

یہ لائینل تھا جس کے ہاتھ میں چندہ جمع کرنے کی رکابی تھی۔ اُلی سس نے جلدی سے سکہ نکال کر رکابی میں ڈال دیا۔

لائینل نے اُلی سس کے کان میں آہستہ سے کہا۔ "بخشش ہوئی یا نہیں؟"

"کیا؟"

"اسے پڑھو۔" لائینل نے ایک کتابچہ دیا۔ اُلی سس عبارت نہ پڑھ سکا۔ پہلے صفحے پر جلی حروف میں لکھا تھا —

"آپ بخشش کے طالب ہیں؟

تو مزید دیر مت کیجئے۔"

لائینل نے یہی سوال ایک معمر شخص سے پوچھا —

"آپ بخشش کے طالب ہیں؟"

بوڑھا خفا ہو گیا — "چلو چلو — آگے بڑھو۔"

لائنل حیران رہ گیا۔ لیکن آگے بڑھنے سے پہلے اس نے بوڑھے کے ہاتھ میں کتا بچہ تھما دیا۔ بوڑھے نے لائنل کو یوں گھورا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

"کیا ہوا؟" اس کی بیوی نے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا۔ بدتمیز مجھ سے پوچھتا ہے کہ بخشش ہوئی یا نہیں اور یہ کتا بچہ خواہ مخواہ دے گیا۔"

اس نے فرش پر پڑا ہوا کتا بچہ اٹھا کر عبارت پڑھی۔

بیوی نے اس کے بازو کو تھپتھپایا۔ "بیچارے لڑکے کو کیا پتہ کہ تم چین میں تیس برس پادری رہ چکے ہو۔"

ارگن بج رہا تھا۔ لڑکے گا رہے تھے۔ لائنل، آگی اور اس کے ساتھی رکابیاں لئے کونے میں کھڑے تھے۔ موسیقی ختم ہوئی تو لڑکوں نے جمع کیا ہوا چندہ میز پر رکھ دیا اور اپنے والدین کے پاس جا بیٹھے۔

# شبر کی ہنسی

گرجے سے واپس آکر آگی نے ٹینس کا ایک پرانا جال نکالا اور گھر کے سامنے بیٹھ کر مرمت کرنے لگا۔ پڑوس سے اینوک ہاپر پرانی فٹ بال لیے آیا اور آگی کے سامنے گیند اچھالنے لگا، بار بار اُسے زمین پر مارتا اور ہوا میں دبوچ لیتا۔ یہ لڑکا قصبے بھر میں سب سے بے چین اور چلبلا تھا۔ ہر وقت اُلٹی سیدھی ہانکنا اس کی عادت تھی۔

"یہ کیا ہے آگی؟"

"جال۔"

"مچھلیاں پکڑو گے؟"

"نہیں، جانور پکڑوں گا۔"

"دفع کرو، آؤ فٹ بال کھیلیں، پھر تالاب کی طرف چلیں گے۔"

"نہیں، پہلے پھندہ بنا لوں۔"

"پھندہ کس لیے بنا رہے ہو؟"

"کہہ تو دیا کہ جانور پکڑوں گا۔"

"یہاں کہاں دھرے ہیں جانور؟ چلو تیرتے ہیں۔"

"اسی پھندے سے جانور پکڑ کر دکھاؤں گا۔"

"شرط لگا لو، اس ردّی جال سے مکھی بھی نہیں پکڑی جا سکتی۔ چلو ٹارزن کی فلم دیکھیں۔"

"پہلے نمونے کے طور پر ایک کتا پکڑوں گا۔ جب یقین ہو گیا کہ پھندہ ٹھیک ہے تو بڑے جانوروں کی باری آئے گی۔"

"یہ پرانا بوسیدہ جال جو شاید کباڑیئے سے خریدا گیا ہے، بالکل بیکار ہے۔ چلو جیل میں قیدیوں سے باتیں کریں۔"

"فی الحال میں مصروف ہوں، شام کو اسے آزمانا چاہتا ہوں۔"

"کس چیز پر آزماؤ گے، سارے قصبے میں مشکل سے ایک گائے، چار کتے، چھ سات خرگوش اور پندرہ بیس مرغیاں ہوں گی۔ جب جانور ہی نہیں تو پکڑو گے کسے؟"

"جناب! اس میں ایک ریچھ آ سکتا ہے۔"

"ریچھ تو پھنسنے کے لئے منتظر ہی بیٹھا ہو گا۔ اس سے تم ایک فٹ کا ریچھ نہیں پکڑ سکتے۔ چلو چینیوں کے محلّے میں چلتے ہیں۔"

آگی نے فوراً گام چھوڑ دیا۔

"تمھیں چینیوں سے ڈر نہیں لگتا؟" اس نے پوچھا۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ چینی خطرناک ہوتے ہیں تو ہوا کریں۔ میں اتنا تیز دوڑتا ہوں کہ میری گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ شاید تم نے مجھے دوڑتے نہیں دیکھا۔"

"شیر تو تم سے تیز بھاگتا ہو گا۔"

"بھاگنے پر آؤں تو چیتے، شیر، چینی — سب دیکھتے رہ جائیں۔ کوئی میرے قریب نہیں پھٹک سکتا، چلو ریل کی لائن کے پار دوسرے محلے کے لڑکوں کے ساتھ کھیلیں۔"

"میرے خیال میں شیر کو پکڑنا آسان ہے لیکن تمھیں پکڑنا مشکل ہے۔"

"دنیا کا کوئی پھندہ مجھے نہیں پکڑ سکتا۔ چلو بڑے میدان میں ایک میل کی دوڑ لگائیں۔ تمھیں سو گز کی رعایت ملے گی۔"

"شاید تمھارے بزرگ بھی تمھیں نہیں پکڑ سکتے۔"

"بزرگ ہوں یا کوئی اور۔ میں سب سے آگے نکل جاؤں گا۔"

اتنے میں لائینل آگیا۔

"آگئے کیا کر رہے ہو؟"

"جانوروں کے لئے پھندہ بنا رہا ہوں۔"

"اسے اتنا سمجھایا ہے کہ ٹینس کے پرانے جال میں کچھ نہیں پھنس سکتا لیکن یہ باز نہیں آتا۔ فٹ بال بھی نہیں کھیلتا۔ تم کھیلو گے؟" ابزوک نے لائینل سے پوچھا۔

"ہیں؟" لائینل حیران رہ گیا۔

"ہاں تم — پورے زور سے گیند میری طرف پھینکنا، میں آہستہ سے لوٹا دوں گا۔ آؤ، دن ڈھلتا جا رہا ہے، دیر مت کرو۔"

"اچھا — لیکن زور سے مت پھینکنا۔ مجھے گیند دبوچنے کی مشق نہیں ہے، ذرا چوک ہو جائے تو منہ پر لگتی ہے۔ کئی دفعہ آنکھ اور ناک پر چوٹ لگ چکی ہے۔"

"فکر مت کرو، بالکل آہستہ پھینکوں گا۔"

دونوں سامنے کے میدان میں کھیلنے چلے گئے۔ آگی جال کی مرمت کرنے لگا۔ آخر اس نے سارے ٹکڑوں کو اکٹھا سی لیا۔ جال کو کھینچ کر دیکھا تو بہت خوش ہوا۔

مینوگین دوڑتا ہوا آیا۔ "یہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جانور پکڑنے کا جال بنایا ہے۔ اسے آزمانا ہے، مدد کرو گے؟"

"ضرور۔"

"میں ایرا کی دکان کے پیچھے چھپ جاؤں گا۔ اینوک سامنے کھیل رہا ہے۔ اسے پکڑنا شیر پکڑنے سے زیادہ مشکل ہے۔ وہ جال میں آگیا تو سمجھ لیں گے کہ پھندہ مضبوط ہے۔ میں چھپتا ہوں، تم اسے بلاؤ، کہنا کہ کچھ پوچھنا ہے۔"

"اچھا۔"

مینوگین نے آواز دی۔ "اینوک ذرا بات سننا۔"

"کیا ہے؟" وہ چلایا۔

"ایک بات پوچھنی ہے۔"

"تو پوچھ لو"

"پہلے یہاں آؤ"

"ابھی آیا"

"مبنوگین تم بھی چھپ جاؤ۔ جال کا ایک سرا میں پکڑتا ہوں دوسرا تم تھام لو، جونہی وہ قریب آیا، دبوچ لیں گے"

اینوک بڑبڑاتا ہوا آرہا تھا — "چلو تالاب میں تیرتے ہیں، اتنا وقت ضائع ہو چکا ہے، یارو کچھ کرو، آخر انتظار کس کا ہے؟"

ایرا کی دکان کے پیچھے دونوں لڑکے منتظر تھے، چند ہی لمحوں میں اینوک جال میں تھا۔

اس نے پھنسے ہوئے شیر کی طرح اچھل کود شروع کر دی۔ دونوں شکاریوں نے اسے مطیع کرنے کی بڑی کوشش کی۔

کمبخت جال ہی بوسیدہ تھا۔ اینوک کو آزاد ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ جال ایک طرف پڑا تھا۔

اس نے گیند اچھالی — "چلو آگے چلیں۔ اس جال میں تو مکھی بھی نہیں آئے گی — چلو"

"اچھا —" آگتی نے جال اٹھا کر صحن میں پھینک دیا

"چلو جیل خانے میں قیدیوں سے باتیں کریں گے"

تینوں لڑکے بھاگے، لائنل پیچھے پیچھے تھا۔

"ذرا تینو چلو، یہ کیا چیونٹیوں کی طرح رینگ رہے ہو۔" اینوک چلّایا۔

سامنے درخت پر پرندہ بیٹھا تھا، اس نے تاک کر گیند ماری، لیکن پرندہ اُڑ گیا۔

# درخت اور انگور کی بیلیں

سپنگلر اور ڈائینا کار میں مضافات کی سیر کر رہے تھے۔

سپنگلر نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "یہ قطار انجیر کے درختوں کی ہے۔ ان کے پیچھے انگور کی بیلیں ہیں، وہ زیتون کے درخت ہیں۔ پرے انار کا پیڑ ہے، وہ آڑوؤں کا جھرمٹ ہے اور یہ خوبانیوں کا۔ یہ دنیا کی حسین ترین وادی ہے، ایسا کوئی پھل نہیں جو یہاں نہ ہوتا ہو۔"

"تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ ہے نا؟"

"مجھے ہر شے سے محبت ہے، یہ مت پوچھا کرو کہ میں تمہیں چاہتا ہوں یا نہیں کیونکہ مجھے تم سے بے حد محبت ہے، تم نہایت عزیز ہو۔ مجھے دنیا بھی عزیز ہے اور دنیا کی سب چیزیں بھی۔ کئی مرتبہ میں نے زندگی کو ایک دھارے کی شکل میں بہتے دیکھا، چمکتا ہوا شفاف چشمہ، جس کے دونوں طرف روئیدگی تھی — سرسبز شاداب پودے جن میں طرح طرح کے پھل لگے ہوئے تھے۔ ان کے پتوں میں انسان، قبیلے اور قوموں کے عارضوں کے لئے شفا کی تاثیر تھی۔"

اس نے ڈائینا کو چوم لیا۔

"میرے محبوب! تم مسرور ہو نا؟"

"میں نہیں جانتا کہ مسرت کیا ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہے اس وجدانی کیفیت کو

محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے اپنا بازو ڈائینا کے گرد حمائل کر دیا۔

"اب انتظار نہیں کیا جاتا۔ میرے خیال میں ہمارے گھر میں ایک بچی آنے والی ہے، ننھی منی سی، بالکل تمہاری شکل کی۔ مجھے لڑکیاں اچھی لگتی ہیں، خصوصاً ان کی میٹھی میٹھی باتیں بالکل الھڑ سمجھتا تھا لیکن جو لڑکی ماں بننے والی ہو وہ الھڑ نہیں رہتی۔"

"میں کتنی خوش ہوں۔ میرے دل میں ذرا سا بھی تو ڈر نہیں۔"

موٹر باغوں کے قریب سے گذر رہی تھی۔ جہاں اتھاکا کے باشندے اتوار گذارنے آیا کرتے تھے۔

بڑی رونق تھی، لوگ تفریح کے لئے آئے ہوئے تھے۔ موسیقی تھی، ناچ ہو رہا تھا۔ اطالوی، یونانی، یوگوسلاویہ کے، آرمینی، امریکن، ہر قسم کے لوگ تھے۔ ہر گروہ کی دھنیں اور رقص جداگانہ تھے۔ سپنگلر کسی گروہ کے قریب سے گذرتا تو تھوڑی دیر کے لئے کار ٹھہرا لیتا۔

"یہ یونانی ہیں، ان کی موسیقی صاف بتا رہی ہے۔ اس لڑکی کا رقص دیکھا؟ اپنے وطن میں یہ اسی طرح ناچتے ہیں۔"

سپنگلر نے پھر موٹر روک لی۔ "یہ آرمینی ہیں۔ پادریوں اور بچوں کی تعداد سے پتہ چل جاتا ہے۔ بڑی مذہب پرست قوم ہے، ہر کنبے میں درجنوں بچے ہوتے ہیں۔ یہ کچھ کچھ یونانیوں سے بھی ملتے ہیں۔ ویسے یہ سب سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ بوڑھا کیسے مزے میں ناچ رہا ہے — اور وہ یوگوسلاویہ سے آئے ہیں۔ ملک ملک کے آدمی یہاں ہیں لیکن دیکھا جائے تو سب ایک جیسے ہیں —"

اس نے ڈائینا کو کھینچ کر قریب کر لیا اور اس کی زلفوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

"اور جو وہ آرمینی بچیوں جیسی ہوئی تو ——— اور کچھ کچھ اطالوی بچیوں جیسی بھی ہیں تو چاہتا ہوں کہ وہ جرمن، ہسپانوی، فرانسیسی، روسی اور یونانی بچیوں جیسی بھی ہو ——"

اس نے کار ٹھہرالی ——"جانتی ہو یہ کون ہیں؟ یہ اطالوی گانے ہیں۔ ان میں کاربٹ بھی ہوگا ——"

کار چل دی۔ یہ نیا گروہ سب سے زندہ دل اور شوریدہ سر تھا۔ ان کی موسیقی میں بے پناہ شوخی تھی اور رقص میں چنچلتا۔

"یہ امریکن ہیں ——— اور ان میں دنیا کی سب قومیں شامل ہیں۔ بنگالی، حبشی، یہودی انگریز ——— ان کے نغمے تو سنو ——"

کار آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ موسیقی کی آواز دھیمی ہوتی گئی۔

# میرے عزیز گھر

سان فرانسسکو سے آنے والی ٹرین اتھاکا کے سٹیشن پر ٹھہری۔ نو مسافر اترے۔ ان میں دو سپاہی تھے۔ ٹرین چلنے سے پہلے تیسرا سپاہی لنگڑاتا ہوا اترا اور آہستہ آہستہ قصبے کی طرف چل دیا۔

پہلے سپاہی نے اپنے ساتھی سے کہا "گھر دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں۔ میرے عزیز گاؤں، میں نے تجھے کس قدر یاد کیا ہے۔ تیری خاک کو بوسہ دیتا ہوں ـــ"

اس نے جھک کر زمین چوم لی ـــ

"ایک اور بوسہ ـــ ایک اور" وہ فرش کو چوم رہا تھا۔

"ہنری! یہ کیا کر رہے ہو، خدا کے لئے اٹھو اور گھر چلو، لوگ کہیں گے کہ سپاہی پاگل ہو گئے ہیں" اس کے ساتھی نے کہا۔

"مجھے چومنے دو ڈینی، مجھے کیا پروا ہے۔ بس یونہی پیار آ گیا تھا"

"وہ ہمیں دیکھ کر رشتہ دار حیران تو ہوں گے ـــ"

"میرے عزیز تو خوشی کے مارے بول نہیں سکیں گے، دیکھ لینا کسی کے منہ سے بات نہ نکلے گی"

چلتے چلتے دونوں ایرا کی دکان کے قریب پہنچے۔ پھر یکایک بھاگنے لگے اور سامنے کے دو مکانوں میں گھس گئے۔

آلف رائف کسی کام کو جا رہا تھا۔ اس نے جو یہ تماشہ دیکھا تو ٹھہر گیا۔ دروازے کھلے، دو بوڑھی عورتیں نکلیں اور سپاہیوں سے بغلگیر ہو گئیں۔ ذرا سی دیر میں بہت سے مرد، عورتیں اور بچے اکٹھے ہو گئے اور سپاہیوں سے معانقہ کرنے لگے۔

اچانک آلف چلّایا — "امّی یہ تو پڑوسیوں کا لڑکا ہے — ڈینی بوتھ غلط گھر میں آگھسا ہے۔ مسز بوتھ! آپ کا بیٹا غلطی سے ہمارے ہاں آگیا ہے۔ ہمارا لڑکا آپ کے پاس ہے۔"

مسز رائف نے چونک کر لڑکے کو دیکھا — "ارے یہ تو ڈینی ہے۔ میں تمھیں ہنری سمجھتی رہی۔"

"کوئی بات نہیں مسز رائف، میں اُدھر امّی سے بھی پیار کرواؤں گا۔" ڈینی بولا۔ ہنری دوسرے مکان میں کہہ رہا تھا — "مسز بوتھ — ڈینی امّی کے پاس ہے۔ آپ ذرا دیر کے لئے ہمارے ہاں آئیے۔"

مکانوں کے سامنے کافی لوگ اکٹھے ہو چکے تھے۔ آلف زور زور سے چلّا رہا تھا — "آہا! لڑکے غلط گھروں میں جا گھسے، پڑوسیوں کا ڈینی ہمارے ہاں چلا آیا اور ہمارا ہنری اُن کے ہاں — ہنری آجاؤ، امّی یہاں ہیں۔"

# محبت لافانی ہے

اتوار کی سہ پہر کو ہومر اپنی بہن، بھائی اور میری کو لے کر سیر کو نکلا۔ سینما ہال کے باہر لوگوں کی قطار لگی ہوئی تھی جس میں لائینل بھی تھا۔

"لائینل سینما کی تیاری ہے؟" ہومر نے پوچھا۔

"ارادہ تو ہے لیکن پیسے نہیں ہیں۔"

"تو قطار میں کیوں کھڑے ہو؟"

"آگی، اینوک، ہینوگین اور میں قیدیوں سے باتیں کرنے جیل خانے گئے تھے لیکن انھوں نے مجھے بھگا دیا، واپسی میں لوگوں کی قطار دیکھی تو شامل ہوگیا۔"

"کتنی دیر سے کھڑے ہو؟"

"ایک گھنٹے سے۔"

"فلم دیکھنے کو بہت جی چاہ رہا ہے؟" ہومر نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ "بیکار پھر رہا تھا۔ سوچا یہیں وقت گذار دوں، ویسے فلموں کا مجھے زیادہ شوق نہیں ہے۔"

"تو ہمارے ساتھ سیر پر چلو، تھوڑی دیر میں واپس آجائیں گے۔"

"شکر یہ! یہاں کھڑا کھڑا اُکتا گیا تھا۔"

تھوڑی دور چل کر اُلی سس کو کچھ نظر آگیا۔ لنکن کے زمانے کا ایک سکہ زمین پر

پڑا تھا۔

"اسے اٹھا لو اُلی سِس۔ ایسا سکّہ بڑا مبارک ہوتا ہے۔"

بچّے نے سکّہ اٹھا لیا اور اپنی خوش نصیبی پر مسکرانے لگا۔

وہ تار گھر کے سامنے سے گذر رہے تھے۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں میں کام کرتا ہوں، صرف چھ مہینے ہوئے ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے صدیاں گذر چکی ہیں۔"

تار گھر میں کوئی نہ تھا۔ ہومر نے جھانک کر دیکھا۔

"شاید مسٹر گروگن کام کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں چھٹی کے دن کیوں چلے آئے۔ ذرا پوچھ آؤں۔ ابھی آیا۔"

اس نے دوڑ کر سڑک عبور کی اور دفتر میں چلا گیا۔ تار کی مشین کھڑک رہی تھی لیکن گروگن دُنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔

"مسٹر گروگن اُٹھیے۔ آپ کو کوئی بلا رہا ہے۔ جاگئے۔"

لیکن گروگن نہ اُٹھا۔ ہومر دوڑتا ہوا بہن کے پاس گیا۔

"مسٹر گروگن کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ ان کی دیکھ بھال میں شاید دیر لگ جائے۔ آپ چلیے، میں بعد میں آجاؤں گا۔"

"بہت اچھا ہومر۔" بہن بولی۔

"انھیں تکلیف کیا ہے؟" لائینل نے پوچھا۔

"مجھے جلد پہنچنا ہے۔" ہومر نے بھاگتے ہوئے کہا۔ "تکلیف وکلیف کچھ نہیں۔ فقط ضعیفی ہے۔"

واپس آکر اس نے گروگن کو کئی مرتبہ جھنجھوڑا، پانی کے چھینٹے دیئے۔ تب کہیں بوڑھے نے آنکھیں کھولیں۔

"جی میں ہومر ہوں۔ مجھے علم نہ تھا کہ آج آپ کام پر آرہے ہیں۔ ورنہ کبھی کا پہنچ گیا ہوتا۔ میں تو یونہی جارہا تھا کہ آپ کو دیکھ لیا۔ ابھی کافی لاتا ہوں۔"

بوڑھے نے سر ہلایا اور ٹائپ رائٹر میں نیا کاغذ لگا کر تار کی مشین کے سامنے بیٹھ گیا۔

ہومر فوراً کاربٹ کی دکان پر پہنچا اور کافی مانگی۔

"تازہ بن رہی ہے۔ دو تین منٹ میں تیار ہو جائے گی۔"

"اگر تھوڑی سی کہیں پڑی ہو تو اسی وقت دے دیجئے۔"

"بالکل ختم ہو چکی ہے۔ لیکن بہت جلد تیار ہو جائے گی۔"

"بڑی ضرورت تھی، خیر، میں ابھی آکر لے جاؤں گا۔"

ہومر نے واپس پہنچ کر دیکھا کہ تار کی مشین بج رہی ہے۔ لیکن بوڑھا خاموش ہے۔

"مسٹر گروگن! اٹھئے، کہیں سے پیغام آرہا ہے۔ انھیں کہہ دیجئے کہ ذرا انتظار کرلیں، اتنے میں تازہ کافی تیار ہو جائے گی۔ میں دوڑ کر لے آؤں گا۔ جاگئے مسٹر

گرؔدگن ـــ"

ہوؔمر دکان کی طرف بھاگا۔

بوڑھے نے ٹائپ شدہ پیغام کی طرف دیکھا ـــ

کاغذ پہ لکھا تھا ـــ

مسز میکاؔلے

۲۲۲۶ سانتا کلارا ایونیو

اتھاکا ۔ کیلیفورنیا

شعبۂ جنگ کو افسوس ہے کہ آپ کا بیٹا مارکس . . . .

بوڑھے نے کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اسے دورہ پڑ رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے اس نے سینہ تھام لیا اور ٹائپ رائٹر پر جھک گیا۔

ہوؔمر کافی کا پیالہ لئے ہوئے آیا۔ تار کی مشین خاموش تھی۔ دفتر میں ہولناک خاموشی طاری تھی۔

"مسٹر گرؔدگن! اٹھئے ـــ میں کافی لایا ہوں۔"

اس نے سہارا دے کر بوڑھے کو ٹائپ رائٹر سے اٹھایا۔ دفعتہً اس کی آنکھوں کے سامنے ٹائپ شدہ عبارت کوندگئی۔ الفاظ پڑھے بغیر ہوؔمر پیغام کا مفہوم سمجھ گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں شل ہوگئے۔ پھر بھی اس نے بوڑھے کو تھامے رکھا۔

"مسٹر گر دگن۔"

اتنے میں دوسرا ہرکارہ فیلکس جو اتوار کو کام کرتا تھا آ گیا۔ اس نے بوڑھے کو غور سے دیکھ کر کہا۔

"ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"پاگل ہو گئے ہو۔؟" ہومر چلایا۔

"یہ مر چکے ہیں۔"

"نہیں نہیں۔" ہومر نے چیخ ماری۔

"مسٹر سپنگلر کو بلاتا ہوں۔" فیلکس نے ٹیلیفون کیا مگر جواب نہیں ملا۔

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اب کیا ہوگا؟"

ہومر ٹائپ رائٹر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ فیلکس نے عبارت پڑھی اور ہومر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "پیغام نامکمل ہے۔ ممکن ہے کہ تمھارا بھائی زخمی ہو گیا ہو، یا اُسے دشمن نے قید کر لیا ہو۔"

ہومر نے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا۔ "انھوں نے پورا پیغام سنا تھا۔ جان بوجھ کر ٹائپ نہیں کیا۔ اُنھوں نے اچھی طرح سُن لیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ نہ سنا ہو۔ میں پھر ٹیلیفون کرتا ہوں۔ شاید وہ گھر پہنچ گئے ہوں۔"

ہومر خالی نگاہوں سے در و دیوار کو تک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید نفرت تھی۔ کراہت تھی اور غصہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نہ نکلا۔

سپنگلر نے اپنی کار تار گھر کے سامنے ٹھہرائی، فیلکس دوڑ کر باہر گیا۔
"مسٹر سپنگلر! میں نے کئی دفعہ فون کیا۔ لیکن آپ گھر نہیں تھے۔ بڑی بری خبر ہے مسٹر گروگن کا انتقال ہو گیا ہے ۔"
سپنگلر، ڈائینا سے بولا۔ "تم گھر چلی جاؤ، میں دیر سے آؤں گا۔ کھانے پر انتظار مت کرنا۔ یا یوں کرو، کہ اپنے والدین کے ہاں چلی جاؤ، تمھیں کل لے آؤں گا۔"

"بہت اچھا۔"
سپنگلر جلدی سے اندر گیا۔ گروگن کی طرف دیکھا، پھر ہومر کی طرف۔
"فیلکس! ڈاکٹر نیلسن کو فون کرو کہ اسی وقت چلے آئیں۔"
اس نے بوڑھے کو کرسی سے اٹھایا اور عقبی کمرے میں صوفے پر لٹا دیا۔ واپس آکر ہومر کے کندھے کو تھپتھپانے لگا۔
"ہومر! جی برا مت کرو۔ مسٹر گروگن ضعیف العمر تھے۔ یہ ان کی خواہش تھی کہ موت اچانک آئے۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے گذر جائیں۔"
تار کی مشین بجنے لگی۔ سپنگلر پیغام لینے کے لئے جھکا تو اسے ٹائپ رائٹر میں لگا ہوا کاغذ نظر آگیا۔ اور دیر تک وہ سر جھکائے سطروں کو پڑھتا رہا۔ پھر اس کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے ہومر کی جانب اٹھ گئیں۔
اس نے مشین پر مکمل پیغام لیا، بلکہ ایک مرتبہ دوہرایا بھی۔ وہ چپ چاپ

اپنی کرسی پہ جا بیٹھا اور دیر تک خلاء میں تکتا رہا، اس کی انگلیاں اُبلے ہوئے انڈے سے کھیلتی رہیں جسے وہ خوش نصیبی کی علامت سمجھا کرتا۔ اس نے غیر ارادی طور پہ انڈا توڑ دیا۔ چھلکے پھینک کر سفیدی کھانے لگا۔

"فیلکس! تار گھر کے کام کے لئے ہیری بیرک کو ابھی بُلا لو۔ ڈاکٹر نیلسن بھی آتے ہوں گے۔ ان سے کہنا کہ میں بعد میں گفتگو کروں گا۔"

ہومر نے اٹھ کر ٹائپ رائٹر سے نامکمل تار نکالا۔ اسے لفافے میں بند کر کے کوٹ کی جیب میں رکھا۔ اور دوسری کاپی کو حفاظت سے فائیل میں لگا دیا۔

سپنگلر نے اُسے بازو سے تھام لیا۔ "آؤ ہومر! ذرا سیر کو چلتے ہیں۔"

تار گھر سے نکل کر دونوں سڑک پہ چلنے لگے۔ دیر تک کوئی بات نہ ہوئی۔ آخر ہومر بولا۔ "انسان کیا کرے؟ کس سے بدلہ لے؟ کس سے نفرت کرے؟ سوچ رہا ہوں کہ وہ کون ہے جو اس کا ذمہ دار ہے؟ کیا کروں، کہاں جاؤں؟ زندگی کیسا عجیب تماشہ ہے، دوستی اور محبت کتنی ناپائدار چیزیں ہیں۔"

سامنے سے آگی اور اس کے ساتھی آ رہے تھے۔ انھوں نے سلام کیا۔ ہومر نے ہر ایک کا نام لے کر سلام کا جواب دیا۔

شام ہو چلی تھی، سورج غروب ہو رہا تھا اور آسمان شفق سے جگمگا رہا تھا۔

"کسے بُرا بھلا کہوں؟ کسے کوسُوں؟ مجھے تو کسی سے نفرت بھی نہیں۔ اُس دن دوڑ میں بائی فیلڈ نے مجھے پیچھے دیا۔ لیکن میں نے اسے بھی معاف کر دیا۔ نہ مجھے کسی سے عداوت ہے نہ کوئی بُرا لگتا ہے۔ میں کیسا عجیب ہوں؟ میرا دل ان جذبوں سے پاک ہے۔ لیکن کوئی مجھے اتنا بتا دے کہ میرا بھائی کیوں مرگیا؟ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔ جب ابّا کا انتقال ہُوا تو اور بات تھی۔ خاصی عمر پاکر، کُنبے کی پرورش سے فارغ ہو کر وہ سدھارے۔ ہمیں رنج ہُوا لیکن گھاؤ نہیں پہنچے۔ بھائی کی موت پر میں تلملا رہا ہوں، میرے دل پر کچوکے لگ رہے ہیں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ کس کو ہم سے دشمنی تھی، ہمارا دشمن کون ہے؟ کیا آپ جانتے ہیں؟"

سپنگلر دیر تک سوچتا رہا۔

"میں نہیں جانتا کہ دشمن کون ہے۔ لیکن یہ جانتا ہوں کہ وہ ہم انسانوں میں سے نہیں ہے۔ اگر انسان دشمن ہوتا تو ہم سب کے سب خود اپنے آپ سے دشمنی رکھتے۔ ساری دُنیا کے انسان ایک جیسے ہیں۔ اُنھیں ایک دوسرے سے عداوت ہے تو وہ خود اپنی ذات کے دشمن ہیں۔ انسان دوسروں سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے۔ جب اُسے اپنی ذات سے نفرت ہو جائے تو اُسے چاہئے کہ یہاں سے نکل جائے۔ اپنا جسم چھوڑ دے دُنیا چھوڑ دے۔ تمھارا بھائی ایسا نہیں تھا۔ اُسے زندگی سے محبت تھی۔ وہ جینا

چاہتا تھا۔ تمھارا بھائی زندہ رہے گا۔"

"کیسے؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن میرا عقیدہ ہے کہ ایسے انسان کبھی نہیں مرسکتے۔ تمھارا بھائی اُلی سس کے رُوپ میں زندہ رہے گا۔ وہ محبت اُسے جیتا رکھے گی جو تمھیں اُس سے تھی۔"

"نہیں نہیں۔ یہ سب تسلیاں ہیں۔ یہ کافی نہیں۔ میں اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آنکھوں کے سامنے رہے۔ میں اُسے چھونا چاہتا ہوں۔ اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی آواز مجھے سنائی دے، اُس کے قہقہے گونجیں، میں اُس کے ساتھ کھیلوں، کشتی لڑوں۔ اور اب — اب میرا بھائی کہیں نہیں ملے گا۔ عمر بھر ڈھونڈتا پھروں تب بھی اُسے نہ پاسکوں گا۔ دُنیا بدلی بدلی معلوم ہوتی ہے۔ دُنیا میں بسنے والے بھی بدل گئے ہیں۔ یہاں سے نیکی اور اچھائی اٹھ گئی۔ یہ قصبہ کچھ اور ہی طرح کا لگنے لگا ہے۔ اب یہاں میرا بھائی کبھی نہیں آئے گا۔"

وہ آبادی سے باہر نکل آئے تھے اور گھاس کے قطعے پر چل رہے تھے۔

"میں تمھیں دلاسے نہیں دے رہا ہوں کیونکہ ایسے شدید غم میں سب تشفیاں بیکار ہیں۔ بس یہ یاد رکھنا کہ اچھائی ہمیشہ زندہ رہتی ہے، اچھا انسان کبھی نہیں مرتا۔ بارہا تم اُسے دیکھو گے، کبھی وہ تمھیں گلیوں میں نظر آجائے گا۔ کبھی مکانوں میں، کبھی

آبادی اور ویرانوں میں۔ باغ میں، کنج میں، دریا کے کنارے، بادلوں میں ــــ جگہ جگہ دکھائی دے گا۔ اُن تمام جذبوں میں اُس کی یاد تحلیل ہو جائے گی جو نفاست، حُسن اور پاکیزگی سے تخلیق ہوتے ہیں۔ جب بھی محبت کا نُور طلوع ہُوا تمھیں اس کا قُرب محسوس ہوگا۔ اس کا جسم فنا ہو جائے لیکن اس کے وجود کا بہترین حصّہ زندہ رہے گا۔ محبت لافانی ہے۔ یہی حیاتِ جاودانی بخشتی ہے ــــ تمھیں کنکریوں کا کھیل آتا ہے ــــ؟"

"جی معمولی سا آتا ہے۔"

"تو پھر کنکریاں اکٹھی کرو۔ ایک بازی کھیلیں گے ــــ"

"جی بہت اچھا۔"

# اختتام اور ابتدا

جو ٹرین ٹینی بو لفظ اور رہنری رالف کو گھر لائی تھی اُسی سے تیسرا سپاہی بھی اُترا تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا قصبے میں پھر رہا تھا۔ دو قدم چل کر رُک جاتا۔ ہر چیز کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتا اور اپنے آپ سے باتیں کرتا۔ "تو یہ اتھاکا ہے — یہ اس کی زمین ہے — وہ اس کا آسمان ہے۔ یہ سینما ہال ہے جہاں اتھاکا کے رہنے والے قطار باندھے کھڑے ہیں۔ وہ لائبریری نظر آ رہی ہے — گرجا — سکول — کھیل کا میدان اور اس کے سامنے ایبا کی دُکان — یہ سانتا کلارا ایونیو آ گیا — وہ گھر نظر آ رہا ہے —"

سپاہی مکان کے سامنے کھڑا تھا۔

"یہاں امی ہوں گی، بیس ہوگی اور ہومر اور رالی سس۔ پڑوس میں میری اور اس کے ابا مسٹر اریناہوں گے —"

اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے — "اتھاکا میرے وطن، میرے عزیز گھر"
قصبے کی سیر سے اس کا جی نہیں بھرتا تھا۔

"وہ پارک نظر آ رہا ہے جس میں لڑکے کھیل رہے ہیں، اس عمارت میں قیدی ہوں گے۔"

وہ چلتا چلتا دُور نکل گیا اور اس جگہ سے گذرا جہاں سپنگلر اور ہومر ٹکٹ کی باقی ہیں

رہے تھے۔ اندھیرے میں اچھی طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہار جیت سے بیخبر وہ کھیل میں مشغول تھے۔

ہومر نے دیکھا کہ ایک سپاہی کھڑا ہے۔ دفعتہً اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اُسے پہلے سے جانتا ہے۔ اس سے کھیلا نہیں گیا۔ وہ سیدھا سپاہی کے پاس گیا اور بولا ۔" معاف کیجئے ۔ غالباً ہم دونوں پہلے کبھی ملے ہیں ۔"

"جی ہاں" سپاہی نے جواب دیا۔

"کھیل میں شریک ہونا چاہیں تو میری جگہ لے لیں، ویسے اندھیرا ہو گیا ہے ۔"

"جی نہیں، کھیلتے رہئے، میں تماشہ دیکھوں گا ۔"

ہومر سوچ میں پڑ گیا ۔" جی شاید میں آپ سے کبھی نہیں ملا، آپ اتھاکا میں رہتے ہیں؟"

"میں یہیں کا ہوں، آج ہی واپس گھر پہنچا ہوں ۔"

"تو اب آپ یہیں رہا کریں گے، آپ کو لڑنے کے لئے تو نہیں بُلا لیا جائے گا؟"

"مجھے فوج سے چھٹی مل گئی ہے۔ دو گھنٹے ہوئے میں ٹرین سے اُترا ہوں۔ تب سے قصبے کی سیر کرتا رہا۔ سب جانی پہچانی جگہیں دوبارہ دیکھیں ۔"

"تو آپ اپنے گھر کیوں نہیں جاتے؟ اپنے عزیزوں کو اپنی آمد کی اطلاع

نہیں دینا چاہتے؟"

"میں گھر ضرور جاؤں گا، عزیزوں کو اطلاع بھی دوں گا۔ لیکن سب کچھ آہستہ آہستہ ہوگا۔ ابھی تک مجھے یقین نہیں آیا کہ میں واقعی یہاں پہنچ گیا ہوں۔ ادھر اُدھر پھروں گا، کچھ دیر سیر کر کے پھر گھر جاؤں گا۔"

وہ لنگڑاتا ہوا چل دیا۔ ہومر سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر سپاہی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر سپنگلر سے بولا۔

"پتہ نہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے میں اسے جانتا ہوں۔ مسٹر سپنگلر کھیل ختم نہ کر دیں۔ جی نہیں چاہ رہا۔"

"اچھا" سپنگلر نے کنکریاں پھینک دیں۔

"میں کیا کروں؟ انھیں کیا بتاؤں؟ کھانے پر میرا انتظار ہو رہا ہوگا۔ گھر کیسے جاؤں؟ اُن سے نظریں نہ ملا سکوں گا، وہ مجھے دیکھتے ہی بھانپ جائیں گے۔ میں تو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مگر وہ فوراً سمجھ لیں گے۔"

"ابھی گھر مت جاؤ، تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو۔ کچھ وقت لگے گا۔" دونوں چپ چاپ بنچ پر بیٹھے تھے۔ ایک طویل وقفے کے بعد ہومر بولا۔ "میں کس چیز کا انتظار کر رہا ہوں؟"

"تم منتظر ہو کہ اُس کے وجود کا جو حصّہ فنا ہو چکا ہے وہ تم میں بھی مر جائے۔ وہ حصّہ جو خاک سے بنتا ہے اور خاک میں مل جاتا ہے۔ تم موت کا کرب محسوس کر رہے ہو۔

اس لئے ابھی انتظار کرو۔ جانکنی کا عذاب ختم ہو چکے گا تو اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرو گے۔ جب تک زندگی ہے ایسے عذاب آئیں گے اور چلے جائیں گے لیکن جوں جوں وقت گذرتا جائے گا تمھاری روح ایک نئی جلا سے آشنا ہو گی۔ زندگی کی لطیف ترین چیزوں سے قریب ہوتے چلے جاؤ گے۔ اس وقت صبر و تحمل کی ضرورت ہے تاکہ جب گھر پہنچو تو تمھارے ساتھ موت کا سایہ نہ ہو۔ ابھی ہم دونوں یہاں بیٹھ کر انتظار کریں گے۔"

سپنگلر اور ہومر گھاس کے وسیع قطعے میں بیٹھے انتظار کرتے رہے۔

میکالے کنبے کے گھر سے نغموں کی صدائیں آ رہی تھیں۔ روح پرور، تسکین پہنچانے والے نغمے فضاؤں میں مرتعش تھے۔ جو عورت بربط بجا رہی تھی اس کا چہرہ محبت اور شفقت کے نور سے روشن تھا۔ جس لڑکی کی انگلیاں پیانو کے پردوں پر رقصاں تھیں۔ اس کے دل میں معصومیت تھی، خلوص تھا۔ گانے والی کی حلیم طبیعت اس کی آواز سے عیاں تھی۔

چھوٹا بچہ بڑے انہماک سے سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے اسے نغمے کی صداقت پر پورا یقین ہے۔

دروازے کے باہر سیڑھیوں پر ایک سپاہی بیٹھا تھا۔ وہ ابھی ابھی اپنے گھر پہنچا تھا۔ گھر سے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اندر اس کا کنبہ تھا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے وطن میں پہنچ گیا ہے۔ یہ گھر ہے اور یہ عزیز و اقارب ہیں۔

آلی سیس نے اُسے دیکھ لیا، اپنی بہن کو بتایا۔ اس نے والدہ سے کہا ——

"امّی سیڑھیوں پر کوئی بیٹھا ہے۔"

"اُسے اندر بُلا لو۔ جاؤ —— ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔"

بیس باہر آئی۔

"اندر آجائیے، آپ کو امّی بُلاتی ہیں۔"

سپاہی نے مڑ کر لڑکی کو دیکھا۔

"تم بیس ہو۔ یہاں میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔ میں گھبرایا ہُوا ہوں۔ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ۔"

لڑکی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"آپ کون ہیں اور آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہُوا؟"

"میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ لیکن تم بیس ہو۔ میں تمھاری والدہ کو جانتا ہوں۔ تمھارے بھائیوں کو جانتا ہوں۔"

"آپ میرے بھائی مارکس کو جانتے ہیں؟"

"ہاں، تمھارے بھائی نے مجھے زندگی بخشی، گھر بخشا، کنبہ عطا کیا۔ وہ مجھے بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔"

"وہ کہاں ہیں؟ اور آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئے؟"
سپاہی نے مارکس کی دی ہوئی انگوٹھی نکالی —
"یہ مارکس نے تمھارے لئے بھیجی ہے۔"
لڑکی خاموش ہو گئی۔
"بھائی جان مر گئے؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"نہیں بیٹی، میں قسم کھاتا ہوں کہ مارکس نہیں مرا، وہ زندہ ہے۔"

ہومر صحن میں داخل ہوا۔ بیٹی دوڑ کر اس کے پاس پہنچی۔
"ہومر انھیں بھائی مارکس نے بھیجا ہے۔ دیر سے یہ ہماری سیڑھیوں پر بیٹھے ہیں۔"
لڑکی اندر چلی گئی۔
ہومر نے ٹوبی جارج کو پہچان لیا۔
"آپ کا نام ٹوبی ہے۔ پارک میں آپ ہی سے ملاقات ہوئی تھی؟"
سپاہی نے سر ہلایا۔
"سہ پہر کو خبر پہنچ گئی تھی۔ تار میری جیب میں رکھا ہے بتایئے۔ اب کیا کریں؟"
"ہومر یہ خبر غلط ہے۔ تار کو پھاڑ کر پھینک دو۔"
ہومر نے جیب سے لفافہ نکالا اور اس کے پرزے پرزے کر دیئے۔ پھر کچھ سوچ کر

کاغذ کے ٹکڑوں کو جیب میں ڈال لیا۔

"ہومر، مجھے سہارا دو، میں خود اُٹھ نہیں سکتا۔"

ہومر نے ٹوبی کا بازو تھام لیا۔ یتیم، بے گھر ٹوبی، ہومر کے کندھے کا سہارا لے کر اُٹھا۔

"امّی۔" ہومر کی آواز میں غم کی رمق تک نہیں تھی۔

"امّی! ہم گیت سنیں گے۔ آج سپاہی واپس گھر آیا ہے، اس کا استقبال کیجئے۔"

موسیقی شروع ہوگئی۔

"میں چاہتا ہوں کہ کچھ دیر یہیں کھڑا رہوں۔" ٹوبی بولا۔

ہومر اور ٹوبی کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی۔ ٹوبی اپنے دل کے غم و حزن کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہومر کو ایک نامعلوم سی تسکین محسوس ہو رہی تھی۔ میری گیت گانے لگی۔

ننھا یولی سس باہر آیا اور سپاہی کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔

گیت ختم ہوا تو مسز میکالے، بیس اور میری آکر دروازے میں کھڑی ہوگئیں۔

ماں چپ چاپ کھڑی اپنے لڑکوں کو دیکھ رہی تھی جو اب دو رہ گئے تھے۔

اجنبی درمیان میں کھڑا تھا، ایک طرف ہومر تھا دوسری طرف آلی سس۔
اجنبی جو اس کے مرحوم بیٹے کا دوست تھا مسکرایا۔
ماں کی غمزدہ آنکھوں میں روشنی آگئی۔ وہ مسکرانے لگی۔
آج اس کا بیٹا واپس آیا تھا، اس کا مارکس لوٹ آیا تھا۔

ماں اپنے تینوں بیٹوں کو لے کر گھر میں چلی گئی۔

(محمد اقبال عباسی خوشنویس لاہور)